سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

[redacted]

[redacted]



ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: خرم مراد

جلد ۱۲۲ | اپریل ۱۹۹۶ | شوال ۱۴۱۶ | عدد ۳

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ 'ملتان روڈ' لاہور ۵۴۵۷۰

فون: ۷۵۷۰۱۲۲۴

فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴

انتظامی امور

۵-اے ذیلدار پارک 'اچھرہ' لاہور

فون: ۷۵۸۷۹۱۶ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ -/۱۵ روپے

زر سالانہ -/۱۵۰ روپے

مشرق وسطی -/۵۵۰ روپے

بنگلہ دیش 'مسقط -/۴۵۰ روپے

بھارت -/۳۰۰ روپے

یورپ 'مشرق بعید -/۶۵۰ روپے

امریکہ 'کینیڈا' آسٹریلیا -/۹۰۰ روپے

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

۶۰ سال پہلے

ایک مہلک مرض جو مسلمانوں کے تمدن و تہذیب کو گھن کی طرح کھا گیا ہے' اور کھائے جا رہا ہے ''وراثت'' کا مرض ہے۔ سب سے پہلے اس نے ہمارے نظام سیاست کو خراب کیا۔ اس کے بعد یہ گھانس تلے کے پانی کی طرح ہمارے نظم ملت کے ہر شعبے کی جڑوں میں پھیلتا چلا گیا اور ہماری قوت کے جتنے مرکز تھے ان سب کو اس نے فاسد کر دیا۔ اسلام میں تو نبی کا بیٹا بھی وراثت میں نبوت نہیں پاتا مگر یہاں وراثت کا قانون ایسا عالم گیر ہوا ہے کہ عالم کا بیٹا عالم ہے' مرشد کا بیٹا مرشد' قاضی کا بیٹا قاضی' امام کا بیٹا امام اور سپہ سالار کا بیٹا سپہ سالار۔ ہر شخص جس نے اپنے فضل و کمال سے جماعت میں اپنا ایک ممتاز مقام پیدا کیا' اس کی ایک باقاعدہ مسند بن گئی' اور اس کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں کو اس پر بیٹھنا لازم ٹھہر گیا' خواہ ان میں اہلیت ہو یا نہ ہو۔ وراثت کے اس غلط اور جاہلانہ طریقہ نے اتنا زور پکڑا کہ جوہر کمال بے قیمت ہو گیا اور اکثر و بیشتر دینی و اجتماعی خدمات جن کی بجا آوری پر تمام ملت کی صلاح و فلاح کا انحصار ہے' محض نسبی استحقاق کی بنا پر نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں چلی گئیں۔ علما کا اصلی کام علم حق کا پھیلانا تھا مگر جب علم کے خانوادے بن گئے تو علما حق کے بے علم جانشینوں نے جہالت کی تاریکی پھیلائی اور مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔ مرشدوں کا اصلی منصب تزکیہ نفوس اور فضائل اخلاق کی اشاعت اور خلق اللہ کی ہدایت تھا' مگر جب مسند ارشاد ورثہ میں منتقل ہونے لگی تو ارشاد غائب ہو گیا' اور اس مسند کے وارثوں کا کام صرف یہ رہ گیا کہ دست و پا کو بوسے دلوائیں' مریدوں' معتقدوں اور زائروں سے نذرانے وصول کریں' اور استخواں فروشی سے جو مال حاصل ہو اس کو فسق و فجور کی نذر کر دیں۔ قضاۃ اس لیے تھے کہ شریعت کی حدود قائم کریں' مگر جب منصب قضا مال و جائداد کی طرح باپوں سے بیٹوں کو ترکے میں ملنا شروع ہوا تو قاضیوں کا کام یہ ہو گیا کہ بزرگوں کی معاشوں سے داد عیش دیں اور اقامتِ حدود کے لیے سعی کرنا تو درکنار' خود اپنے کرتوتوں سے شریعت کی ایک ایک حد کو توڑ ڈالیں۔ یہی انجام دوسرے اہم مناصب کا بھی ہوا۔ مساجد کو مسلمانوں کی آبادیوں میں جو مرکزیت حاصل تھی وہ نالائق اماموں اور متولیوں کے ہاتھوں قریب قریب فنا ہو گئی۔ اوقاف اسلامی جو کبھی خیرات و حسنات کے منابع تھے' اسی منحوس وراثت کی بدولت تباہ ہو گئے۔ اسلام کا عسکری نظام جس کی ہیبت و جبروت سے روئے زمین کانپ اٹھتا تھا' اسی وجہ سے غارت ہوا کہ امارت و قیادت کے اہم مناصب خاندانوں کی میراث بن گئے۔ (**سید ابوالاعلیٰ مودودی** اشارات' جلد ۸' عدد ۱) [جلد ۷' عدد ۵ کے بعد عدد ۶ شائع نہیں ہوا تھا]۔

اشارات

آج کا چیلنج ' کل کے مسائل

خرم مراد

امت مسلمہ کو' بلکہ ہر مسلمان ملک کو' آج ایک انتہائی سنگین چیلنج درپیش ہے۔ مسلمان اس چیلنج سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں' اسی پر اس بات کا انحصار ہے کہ اس کا مقدر عزت و سربلندی ہو گا یا ذلت و غلامی' وہ اپنی تہذیب کی نقشہ گری اپنے ایمان و اقدار اور تصورات کے مطابق کریں گے یا انھیں خود کو نقش فرنگ میں رنگنا ہو گا' وہ اپنے انتہائی قیمتی وسائل و ذرائع سے خود ترقی کی منازل طے کریں گے یا ان کا دسترخوان دنیا کی بھوکی قوموں کی لوٹ کھسوٹ کے لیے ایک تر نوالہ بنا رہے گا۔

یہ چیلنج اندرونی بھی ہے اور بیرونی بھی' لیکن دونوں دراصل ایک ہی چیلنج کے دو پہلو ہیں' دونوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں کیا جا سکتا' اور ایک کا مقابلہ دوسرے کو نظرانداز کر کے کرنا ممکن نہیں۔ ایک طرف دنیا کی غالب مغربی طاقتیں اور ان کی حلقہ بگوش قومیں ہیں۔ ان طاقتوں نے اسلام اور مسلمانوں کو اپنے لیے مستقبل کا سب سے بڑا خطرہ قرار دے لیا ہے' اور ان کو مغلوب رکھنے اور اپنے رنگ میں رنگنے کو اپنا اولین ہدف بنا کر کام کر رہی ہیں۔ یہ طاقتیں ہر قسم کی سیاسی' عسکری' تیکنیکی' معاشی اور ابلاغی قوتوں سے لیس ہیں' مسلمانوں کی قوتوں کا ان کی قوتوں سے کوئی تناسب ہی نہیں۔ ان قوتوں کے بل پر مغربی طاقتوں نے مسلمان ممالک کو ایک ایسے عالمی شکنجے میں کس لیا ہے' خصوصاً خلیجی جنگ (۱۹۹۱) کے بعد' کہ کسی ملک کی مجال نہیں کہ ان کی مرضی' ان کے عزائم اور ان کے مفادات کے خلاف ذرا سی بھی جنبش کر سکے۔

پہلے وہ صرف فضا میں اڑنے والے ہوائی جہازوں کی مدد سے سن گن لے سکتی تھیں' ان کا کوئی فوجی اڈا نہ تھا' ان کی فوجوں کے موقعہ واردات پر پہنچنے کے لیے مہینوں کی مدت درکار تھی۔ اب مشرق وسطیٰ کی زمین پر ہر کونے میں ان کا ایک فوجی اڈا موجود ہے' اور پلک جھپکنے میں ان کی فوجیں جہاں

کاروائی ضروری ہو' وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ سیاسی طور پر' تقریباً ہر مسلمان ملک عدم استحکام کا شکار ہے جس کی آگ سلگائے رکھنے میں مغربی طاقتوں کا بڑا حصہ ہے۔ عدم استحکام کے اس آتش فشاں پر زمام کار سنبھالے ان کا کوئی نہ کوئی مہرہ بیٹھا ہوا ہے' کچھ اس آتش فشاں کے پھٹ پڑنے کے ڈر سے اور کچھ اپنی طبیعت اور مزاج کی رغبت کی بنا پر یہ مہرے ان طاقتوں کا ہر حکم بجالانے کے لیے دست بستہ تیار ہیں۔ معاشی طور پر ورلڈ بنک' آئی ایم ایف' ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن' گیٹ (GATT)' اقتصادی بائی کاٹ وغیرہ جیسے ہتھیاروں سے' انھوں نے ہر ملک کو اپنا محکوم بنا رکھا ہے' ان اداروں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ریاستی خود مختاری کو ایک حرف بے معنی بنا دیا ہے۔ ابلاغی قوتوں کے ذریعے وہ سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر سکتے ہیں۔ اپنی ان قوتوں کو' مغربی طاقتیں صرف اپنے سیاسی و معاشی مفادات آگے بڑھانے ہی کے لیے استعمال نہیں کر رہی ہیں' بلکہ تہذیبی و ثقافتی غلبے کے لیے بھی کھلم کھلا استعمال کر رہی ہیں' ناپسندیدہ حکومتوں کا تختہ الٹنے کے لیے "خفیہ" کاروائیوں سے بھی انھیں کوئی عار نہیں (خواہ وہ بالکل آشکار ہوں) اور "دہشت گرد" قرار دے کر بین الاقوامی اچھوت بنانے کی تلوار بھی وہ ہروقت لہراتی رہتی ہیں۔

عراق کا بائی کاٹ' ایران کا اقتصادی بائی کاٹ اور اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے بجٹ' سوڈان کا بائی کاٹ اور اس کو الٹی میٹم' چیچنیا میں قتل عام پر مکمل سکوت' بوسنیا میں نسل کشی' عصمت دری اور تباہی و بربادی کی کھلم کھلا پشت پناہی' اور پھر ایک ایسے معاہدہ کو مسلط کرنا جس میں قاتل و خونی سر آنکھوں پر بٹھائے جا رہے ہیں' فلسطین میں خود فلسطینیوں کے ذریعے جدوجہد آزادی کا استیصال' قاہرہ' اور بیجنگ کانفرنس' پاکستان پر توہین رسالت جیسے قوانین کے انسداد کے لیے دباؤ' سلمان رشدی کے خلاف فتویٰ کو ختم کرنے کے لیے ایران پر ساری سیاسی و تجارتی قوت کا دباؤ یہ صرف چند نمونے ہیں مسلمانوں کے خلاف مغربی طاقتوں کی یلغار کے۔

دوسری طرف مسلمان ہیں۔ تین سو سال کی غلامی سے تن ہمہ داغ داغ اور سارا جسم زار و نزار ہے۔ خود وہ حکمراں جو مغربی طاقتوں کی شطرنج کے پیادوں کا کام کر رہے ہیں' اسی غلامی کا ورثہ ہیں۔ سیاسی عدم استحکام اور معاشی بدحالی بھی انھی کا ترکہ ہے۔ مغرب کا تعلیمی اور ثقافتی غلبہ بھی اسی دور کی یادگار ہے' اور تعلیمی و علمی پس ماندگی بھی انھی کے منصوبوں کا نتیجہ۔ قومیت کے تیزاب سے جسد ملی کا تار تار ہو جانا بھی' حکمت مغرب کا کارنامہ ہے۔ چنانچہ آج مسلمان ہر جگہ افتراق' انتشار' محاذ آرائی اور باہم خون ریزی کا شکار ہیں۔ ایک طرف حکمراں اور عوام' دوسری طرف قوموں کے دیگر طبقات باہم دست بگریباں ہیں۔ اندرونی محاذ آرائی میں بہترین انسانی وسائل ضائع ہو رہے ہیں' اور مادی وسائل رائیگاں جا رہے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے مسائل کی ساری ذمہ داری اغیار کے سر ڈالنا صحیح

نہیں۔ اگر تین سو سال پہلے مغربی اقوام نے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کی تقریباً ساری مسلمان حکومتوں کو سرنگوں کر لیا' تو اس کی اصل وجہ مسلمانوں کی اپنی کمزوریاں تھیں۔ اور اگر آج مغربی طاقتیں مسلمانوں کے خلاف اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو رہی ہیں تو اس کی بھی اصل وجہ مسلمانوں کی اپنی کمزوریاں ہیں۔ وہ بے مقصد و بے سمت ہیں' کیونکہ بے مقصد و بے سمت ہیں' اس لیے متفرق و منتشر ہیں۔ اور کیونکہ کوئی سمت نہیں اور متحد نہیں' اس لیے جوش و ہوش اور حکمت و ولولے کے ساتھ سرفروشانہ جدوجہد اور قوت عمل سے تہی دامن ہیں۔

آج کے اس سنگین چیلنج کا جواب دینے میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے سامنے ہمارا لائحہ عمل واضح ہو۔ اس مقصد کے لیے گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے اور غور و فکر کے لیے ایک مناسب ایجنڈا اپنانا بھی ضروری ہے۔ ہم ان شاء اللہ موقع بہ موقع اس ایجنڈے کے مختلف نکات واضح کرنے کی کوشش کریں گے' لیکن پہلے قدم کے طور پر ہم آج ان نکات کا تعین کرنا چاہتے ہیں جن پر غور و فکر یہ ایجنڈا اور لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔

۱۔ اسلام اور مغرب کے درمیان آویزش و کشمکش کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی جزیرہ عرب میں ظہور کے بعد اسلام کی تاریخ۔ مغرب سے ہماری مراد مغرب کی عیسائی سیکولر تہذیب ہے' جو ماضی میں بظاہر بالکل عیسائی اور ایک چرچ کے ماتحت ہونے کے باوجود ایک سیکولر تہذیب تھی' اور آج بظاہر بالکل سیکولر ہو جانے کے باوجود اندر سے ایک عیسائی تہذیب ہے۔ مغرب سے ہماری مراد وہ مغربی حکومتیں اور طاقتیں بھی ہیں جو کسی نہ کسی طور مسلمانوں سے آویزش و پیکار میں مشغول رہیں' خواہ بحیرہ روم کے ساحلوں پر' یا خود یورپ کی سرزمین پر' اسپین (وسط فرانس تک)' سسلی اور مشرقی یورپ (وسط جرمنی تک) میں۔

آج اہل مغرب کے ذہن میں اسلام اور مسلمانوں کی جو تصویر ہے' ان کے خلاف دشمنی اور تعصب و مزاحمت کی ان کی جو نفسیات ہے اور ان کے پروپیگنڈے کے جو نکات اور اسلوب ہیں' ان سب کی جڑیں اسی تاریخ میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ "کل" اور "آج" میں کوئی بڑا فرق نہیں واقع ہوا ہے' تو غلط نہ ہو گا۔ رسالت محمدیؐ کا معاملہ ہو' تشدد اور جنگ جوئی کا الزام ہو' عورتوں کے مقام کا مسئلہ ہو' یہ سب اسی تاریخ کا ورثہ ہیں۔

اس تاریخ کا' اور تاریخ کے اس دور میں مغرب نے اسلام کی جو تصویر بنائی' اور اس کے خلاف اس کی نفسیات کی جو تشکیل ہوئی' ان سب کا مطالعہ اور تعین سب سے پہلا کام ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی اس صورت حال کے اسباب کا کھوج لگانا بھی ضروری ہے۔ ان اسباب میں جہاں حق ہو' وہاں اپنی

غلطیوں کے اعتراف میں بھی کوئی تامل نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ خود احتسابی اور استغفار کو امت مسلمہ کا سب سے نمایاں شعار بنایا گیا ہے۔

۲۔ اس تاریخ کا ایک ہزار سال تک کا وہ دور تھا جب اسلام مغرب کے لیے خطرہ بنا رہا۔ اس کے بعد تاریخ کا ورق پلٹا' اور مغرب نے بالاتری حاصل کی۔ دو سو سال میں وہ اس مقام پر پہنچ گیا کہ ۱۹۲۰ میں' ترکی' سعودی عرب' یمن اور افغانستان کے چار چھوٹے چھوٹے بظاہر آزاد ممالک کے علاوہ کوئی مسلمان ملک مغرب کے تسلط سے آزاد نہ تھا۔ اس صورت حال کے تین پہلو ہمارے غور و فکر کے محتاج ہیں۔

ایک یہ کہ مغرب کے تسلط کے اس دور میں مسلمانوں نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ جو کچھ کھویا' اس پر بہت کچھ بولا اور لکھا گیا ہے لیکن یہ پہلو اب بھی مزید تحقیق و تنقیح چاہتا ہے تاکہ جذبات سے بالا ہو کر واضح طور پر متعین ہو سکے کہ جسد ملی کو کس کس پہلو سے کیا زخم لگے۔ نفسیات اور سوچ میں کس طرح بگاڑ پیدا کیا گیا' اپنے علوم اور تعلیم سے رشتہ کاٹا گیا' بے معنی و بے مقصد اور لاحاصل تعلیم سے لگایا گیا' اداروں کو تباہ کیا گیا' نئے ادارے جو اقدار و ثقافت سے مغائر تھے' قائم کیے گئے' ذہن و فکر کو مغرب کا غلام بنایا گیا' اسلام کے بارے میں ریب و تشکیک اور احساس کمتری کو فروغ دیا گیا۔ یہ بھی تعین کرنا ضروری ہے کہ جو کچھ نقصان پہنچایا گیا' وہ کن طریقوں سے پہنچایا گیا۔

کوئی تہذیبی تبادلہ یک طرفہ نہیں ہوتا' اور اس سے انکار ممکن نہیں کہ مغرب کے تسلط کے اس زمانے میں مسلمانوں نے کچھ پایا بھی ہے۔ تصادم اور دشمنی کی فضا میں اس پہلو سے سوچنا بھی مشکل ہے 'کجا کہ اس کا اظہار۔ لیکن اس کا بھی تعین ضروری ہے۔

دوسرے' مغرب کے اس غلبے کے اسباب کیا تھے؟ مغرب کی کیا خوبیاں تھیں' اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی کیا کمزوریاں تھیں' جن کے نتیجے میں مغرب کو یہ تسلط حاصل ہوا؟ اس نے جو کاری زخم لگائے اور جو نقصان پہنچایا' اس میں وہ کیوں کامیاب ہوا؟ تیسرے' مسلمانوں نے مغرب کے تہذیبی' فکری اور سیاسی غلبے کو روکنے کے لیے کیا حکمت عملیاں اختیار کیں' کیا تدابیر اختیار کیں' ان میں کیا خوبیاں تھیں اور کیا خامیاں۔ ان میں کہاں تک کامیابیاں ہوئیں' اور کیا ناکامیاں ہوئیں' اور ان کے اسباب کیا تھے۔

آج مغرب کی اس وقت سے کہیں زیادہ بھرپور یلغار اور اس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کی موزوں حکمت عملی ترتیب دیتے ہوئے' ان تمام پہلوؤں کے بارے میں علم کی ضرورت ہے۔

۳۔ مغرب سے آویزش کی جو صورت حال اس وقت بن گئی ہے' اس میں مختلف راستے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ ہر راستے میں بظاہر فی الوقت کامیابی کے امکانات بہت زیادہ نہیں۔ کسی راستے میں

بھی کامیابی ' اندرونی کمزوریوں کے چیلنج کا جواب تیار کیے بغیر ممکن نہ ہوگی ۔ پھر بھی ہر راستے پر مناسب غور کرنا ضروری ہے ۔ ممکن ہے بعض راستے اس وقت اختیار کرنا ممکن نہ ہوں ' لیکن وقت فضا کو ان کے لیے سازگار بنا دے ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک سے زیادہ راستے بیک وقت اختیار کیے جا سکیں ۔

ایک یہ کہ عسکری مقابلہ ہو اور اس میں کامیابی حاصل ہو ۔ اس کا اس وقت کیا امکان ہے ؟ ظاہر ہے کہ کچھ بھی نہیں ۔ ایک وقت ایسا آ سکتا ہے کہ یہ ممکن ہو ' لیکن اس کے لیے ایک طویل مدت اور دیگر بے شمار پہلوؤں سے پیش رفت ناگزیر ہے ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فی الحال مغرب کی قوت اور اثر کو کم کرنے کے لیے چھوٹی موٹی عسکری کارروائیاں کی جائیں ۔ لیکن کسی مجموعی اور وسیع تر حکمت عملی سے الگ ہو کر ' اس کا بھی کارگر ہونا ممکن نظر نہیں آتا ۔ فلسطین ' بوسنیا ' چیچنیا ' الجیریا ' شام کی نظائر یہی بتاتے ہیں ۔

دوسرے یہ کہ بقائے باہمی ہو اور مسلمان ' بغیر کوئی تصادم مول لیے ' اپنے اپنے ممالک میں اسلام کے مطابق اپنے معاشرے کی تشکیل کا کام کریں ۔ جس حد تک یہ ممکن ہو ' ضرور کرنا چاہیے لیکن اولاً تو مغرب اس طرح کے بقائے باہمی کے لیے تیار نہیں ۔ سوڈان کی نظیر ہمارے سامنے ہے ۔ دوسرے بیش تر مقامات پر اس کے جو مہرے عنان حکومت سنبھالے بیٹھے ہیں ' ان کی موجودگی میں اس راہ پر چلنا ممکن نہیں ۔ خصوصاً گذشتہ ۵ سال میں جس طرح یکے بعد دیگرے خود مسلمان حکومتوں کو بنیاد پرستی اور انتہا پسندی کے خلاف کھڑا کر دیا گیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ۔

تیسرے ' خود اہل مغرب کے دلوں کو اسلام کے لیے مسخر کیا جائے ' اور خود مغرب میں سے جو قوت اسلام کے لیے حاصل ہو سکتی ہو اسے حاصل کر لیا جائے ۔

۴ ۔ مغرب سے آویزش میں ' خود اہل مغرب کو اسلام کا ہم نوا یا علم بردار بنانے کی حکمت عملی ' بہت سارے پہلوؤں سے مناسب تدابیر اور بنیادی تبدیلیوں کے بارے میں غور و فکر کی متقاضی ہوگی ۔ یہ جاننا ضروری ہوگا کہ آج کے تہذیبی مسائل / ایشوز (issues) کیا ہیں ' جن کے بارے میں انسان پریشان ہے اور حل کا متلاشی ۔ ان ایشوز کو ہمیں اسلام کی دعوت میں مناسب مقام دینا ہوگا ۔ مثلاً امن و امان ' خاندان ' عورت کا مقام ' انسانی حقوق ' فرد کا مقام ' ریاست کی ہمہ گیریت ' حکمرانوں اور سیاست دانوں سے مایوسی ' ماحولیات وغیرہ ۔

اسی طرح باہمی آویزش کے باوجود اس وقت تک مغرب کے مقابلے میں حریف مقابل کی پوزیشن اختیار کرنے سے اجتناب کی مناسب تدابیر اختیار کرنا ہوں گی ' جب تک مسلمان کوئی تصادم مول لے کر اس میں کامیابی کا امکان نہیں دیکھتے ۔ ایک طرف مغرب کی جارحانہ یلغار ' مغرب کے خلاف عام مسلمانوں کی نفرت ' اس یلغار کے خلاف اور مسلمانوں کی نفرت کو آواز دینے کے لیے آواز

اٹھانے کی ضرورت ' اور دوسری طرف حریف بننے سے اجتناب کی پالیسی۔ -- ان دو متضاد چیزوں کے درمیان تطابق کیسے ہو ' یہ طے کرنا آسان نہیں۔

اسی طرح آویزش کے باوجود مشترک امور کی تلاش (تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ) نفرت اور اندھی دشمنی کو فروغ دینے سے اجتناب ' اور "ابوجہل" اور "عمرؓ" جیسے لوگوں کے اسلام کی ' اور ان کے ذریعہ اسلام کی تقویت کی تمنا اور تدبیر -- یہ بھی ایک نازک راستہ ہو گا۔

اس ضمن میں مغرب میں مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیوں کا موجود ہو جانا بھی مشیت الٰہی کی ایک ایسی تدبیر ہے جس کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ استنبول سے لاس اینجلز تک یہ لکھوکھا مسلمان اب امت مسلمہ کا سب سے اگلا محاذ (front line) ہیں ' وہ لائن جو اب بحیرہ روم سے آگے بڑھ کر عین مغرب کے قلب میں پہنچ گئی ہے۔ یہ مسلمان کیا کریں ' اور کیوں کر کریں ' یہ مسلمانوں کے ایجنڈے پر ایک اہم سوال ہونا چاہیے۔ یہ غور کرنا ضروری ہے کہ یہ مسلمان ' اپنی تمام خامیوں کے باوجود ' اہل مغرب کو اسلام کے لیے مسخر کرنے کی حکمت میں ایک کلیدی رول کس طرح ادا کر سکتے ہیں۔

۵۔ اسلام سے محبت ' اور اسلام کے نام پر پکارے جانے کے باوجود عامۃ المسلمین کی قابل لحاظ تعداد اسلام کے لیے کہیں بھی متحرک اور سرگرم نہیں ہوئی ہے۔ دوسری طرف امت کی قوت کا پہلا سرچشمہ ہی بحیثیت عمومی ' ایک مقصد ' ہدف ' اور مدعا سے وابستگی ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان اور ان سے محبت ' اور غلبہ دین اور شوق شہادت کے علاوہ اور کون سا مدعا و مقصد مسلمان کو اٹھا سکتا ہے۔ پھر اس میں کامیابی کیوں نہیں ہو رہی اور ہو تو کیوں کر؟ اس مدعا و مقصد کو کن سادہ اور سیدھے الفاظ میں ' کس اسلوب سے رکھا جائے کہ عام مسلمان کے دل کے تاروں کو چھیڑ دے۔ عام مسلمانوں میں اللہ اور رسول سے محبت ' اللہ سے ملاقات کا شوق اور جذبہ شہادت و جہاد کس طرح پیدا کیا جائے؟ یہ بھی آج کے ایجنڈے کا ایک اہم مسئلہ ہے۔

۶۔ قوت کا دوسرا سرچشمہ افتراق سے نجات اور وحدت امت ہے۔ ظاہر ہے کہ وحدت کی بنیاد ایک مقصد سے ایسی وابستگی اور محبت ہے جو ہر دوسری وابستگی اور محبت سے بالاتر ہو۔ لیکن اس کے بعد بھی وحدت کو برقرار رکھنے اور مستحکم کرنے اور پارہ پارہ ہونے سے بچانے کے لیے دوسری تدابیر ضروری ہوں گی۔ اس ضمن میں حکمرانوں اور باشندوں کے درمیان ' قدیم و جدید کے درمیان ' مغربی اور غیر مغربی کے درمیان ' امیر و غریب کے درمیان ' اور مختلف نسل و رنگ کے درمیان ' کشمکش اور تصادم کے مسائل حل کرنے کے لیے بھی نئے سرے سے غور کرنا ہو گا۔ کہاں کہاں اور کس کس طرح اس محاذ آرائی کو کم یا ختم کیا جا سکتا ہے۔ مختلف الخیال اور مختلف المزاج اور نیک و بد سب کو ایک

شیرازے میں منسلک کرنے اور ایک مقصد کے لیے سرگرم کر دینے کا ہدف بھی آج کے رویوں اور تدابیر سے بہت مختلف رویوں اور تدابیر کا تقاضا کرے گا۔

۷۔ مغرب سے مقابلہ اسی وقت ممکن ہو گا کہ اسلامی تہذیب کی تشکیل نو کے بنیادی خطوط متعین کرنے میں کامیابی ہو۔ یہ مقصد بغیر ایک عظیم اجتہادی کاوش کے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اجتہاد کا مسئلہ بہت نازک مسئلہ ہے۔ ایک طرف سلف کی روایت اور اس پر امت کا عمل ہے ' دوسری طرف تغیر زمانہ و احوال سے تغیر احکام کے تقاضے ہیں۔ ایک طرف وہ مقام ہے جہاں سے مسلمانوں نے تہذیبی مسائل میں اجتہاد ترک کیا ' دوسری طرف آج کا مقام ہے جب انسانی علوم اور تمدنی اداروں کو مغرب بہت آگے لے گیا ہے۔ مغرب سے بہت کچھ ہم 'کسی مناسب بحث و تمحیص کے بغیر' اختیار کر چکے ہیں ' اور اسی طرح بہت کچھ کو کسی بحث و تمحیص کے بغیر رد کر چکے ہیں۔ بعض کے نزدیک مغرب کی ہر چیز کفر ہے ' بعض کے نزدیک عین حق۔ مغرب نے جو کچھ ''ایجادات'' کی ہیں ٹیکنولوجی کی نہیں ' تمدن کی ' ان میں سے کیا لینا ہے اور کیا چھوڑنا ہے۔ اجتہاد اور اجتہاد کا یہ پہلو بھی اس ایجنڈے کا ایک اہم نکتہ ہے۔

۸۔ آخری مسئلہ حکمت اور شجاعت ' استقلال اور تغیر' مزاحمت اور مفاہمت ' اور جوش و ہوش کے درمیان مناسب توازن کا مسئلہ ہے ' ایسا توازن جس سے امت اپنے اندر کے اور باہر سے مغرب کے چیلنج کا مقابلہ اس طرح کر سکے کہ وہ کامیابی کی طرف آگے بڑھتی رہے۔

ان تمام مسائل پر غور و فکر کر کے مناسب حل تلاش کرنے کا کام کسی ایک فرد یا چند افراد کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے بہت سے لوگوں کو تدبر کرنے اور سر جوڑ کر بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان مسائل سے بحث کیے بغیر ہم کسی طرح آج کے چیلنج کا مقابلہ کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے جو غور و فکر کی صلاحیت رکھتا ہو' اس کو اپنا حصہ ادا کرنے سے گریز نہ کرنا چاہیے۔

زندگی کا روزہ

رمضان کا روزہ

ہر روز غروب آفتاب پر ختم ہوتا تھا

لیکن--- زندگی کا بڑا روزہ

آفتاب عمر کے غروب ہونے پر ختم ہو گا!

زندگی بھر کے اس طویل روزہ کا افطار

رسول پاکؐ کے دست مبارک میں لیے جام کوثر سے ہو'

یہ تمنا' یہ آرزو ہر مسلمان کی ہونا چاہیے۔

رمضان کے روزے کی طرح اس روزے میں بھی'

کچھ باتیں منع ہیں' کچھ کی اجازت ہے

لین دین میں' شادی بیاہ میں' روز مرہ امور میں.

شریعت اسلامی کی پابندی کیجیے

رسولؐ کے اسوہ دعوت الی اللہ کو اپنا شعار بنا لیجیے

خیال رکھیے---- یہ روزہ ٹوٹ نہ جائے

تاکہ ---- جو افطار و ضیافت اہل ایمان کے تیار ہے

آپ کے حصے میں ضرور آئے!!

(بندۂ خدا)

حج' جامع عبادات

اللہ کے حضور بندگی پیش کرنے کی دنیا میں جتنی شکلیں بھی ممکن ہیں وہ ساری کی ساری اللہ تعالیٰ نے حج میں جمع کر دی ہیں۔ ذرا غور کیجیے کہ ایک آدمی جس وقت حج کا ارادہ کرتا ہے اگر وہ خالصتہ اللہ کی رضا طلبی کے لیے حج کا ارادہ کر رہا ہے تو اس کا یہ عزم سفر کرنا بجائے خود یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ کوئی دنیوی مقصد لے کر گھر سے نہیں نکل رہا ہے۔ اس کے پیش نظر کوئی تجارتی غرض نہیں ہے اور نہ اسے سیر و سیاحت ہی کا شوق چرایا ہے۔ اس نے ہزاروں میل کا سفر کرنے کا ارادہ صرف اس لیے کیا ہے کہ اللہ کی عبادت کرے اور اس کی رضا جوئی کے لیے تگ و دو کرے۔ پھر آپ دیکھیے کہ ایک آدمی جب حج کے لیے نکلتا ہے تو اپنے بال بچوں کو چھوڑتا ہے' اپنا گھر بار' اپنا کاروبار' اپنے اعزہ و اقربا اور اپنے دوست' احباب' غرض یہ کہ بے شمار علائق و روابط کو توڑ کر نکلتا ہے۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اللہ کی عبادت انجام دے اور اس کی خوشنودی تلاش کرے۔ اس طرح ہجرت کا اجر اس کو آپ سے آپ مل جاتا ہے۔ ہجرت کے جو اخلاقی اور روحانی فوائد اور منافع ہیں وہ سارے کے سارے اس کو حاصل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس کی حیثیت اس شخص کی سی ہے جو محض اللہ کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑتا ہے۔

اس کے بعد آپ دیکھیے کہ ایک شخص جب مکہ معظمہ پہنچتا ہے تو اس جگہ وہ بے شمار مختلف عبادات انجام دیتا ہے۔ پانچوں اوقات کی نمازیں تو بہرحال وہ آپ سے آپ پڑھتا ہے لیکن اس کے علاوہ وہ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے' اس سے اسے اللہ تعالیٰ پر قربان ہونے اور اپنے آپ کو صدقہ کرنے کا اجر نصیب ہوتا ہے۔ یہاں وہ حجر اسود کو چومتا ہے' اس طرح گویا اللہ تعالیٰ کی آستانہ بوسی کرتا ہے۔ پھر وہ ملتزم سے چمٹتا ہے' یہ گویا اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ سے چمٹ رہا ہے اور اس سے دعائیں مانگ رہا ہے۔ اس کے علاوہ وہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے' اس طرح اس کو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرنے کا اجر ملتا ہے۔ اس طریقے سے اس کو اللہ سے دعا کرنے' اس کے گھر کے گرد طواف کرنے اور اس کی راہ میں سعی و جہد کرنے کا اجر حاصل ہوتا ہے۔ پھر ان عبادات کے علاوہ حج کے دوران میں وہ منیٰ جاتا ہے' منیٰ سے عرفات اور عرفات سے مزدلفہ آتا ہے۔ مزدلفہ سے پھر منیٰ جاتا

ہے۔ یہ ساری دوڑ دھوپ جہاد سے مشابہت رکھتی ہے۔ جس طرح ایک آدمی جہاد کے لیے گھر سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نکلتا ہے، راستے کی تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کرتا ہے، میدان جنگ کی سختیاں جھیلتا ہے، قریب قریب اسی طرح کی صعوبتیں اور مشقتیں اور محنتیں آدمی کو اس تمام دوران میں انگیز کرنی ہوتی ہیں۔ اس طریقے سے وہ گویا جہاد فی سبیل اللہ کے اجر کا مستحق بنتا ہے۔ پھر وہ یوم النحر کو (قربانی کے روز) قربانی کرتا ہے۔ اس طرح اس کو قربانی کا اجر بھی حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ حج جامع عبادات ہے۔ دنیا میں آج تک جتنی ممکن قسم کی عبادتیں انسانوں نے کسی معبود کو پیش کی ہیں وہ ساری کی ساری یہاں ایک بندۂ مومن صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرتے ہوئے انجام دیتا ہے۔ اسی بنا پر حج کو سب سے بڑی عبادت بھی قرار دیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر یہ عبادت انجام دے کر کوئی شخص اپنے گناہوں کی مغفرت ہی حاصل کر لے تو درحقیقت یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

مغفرت کی حد تک حج کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ آپ بے عیب حج کریں۔ بے عیب حج سے مراد یہ ہے کہ آدمی حج کے دوران میں ہر قسم کی برائیوں سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرے۔ غیبت سے پرہیز کرے، گالی دینے سے اور باہم جھگڑا کرنے سے بچے۔ آدمی کو حج میں جو سب سے بڑی مشقت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسے مناسک حج کی ادائیگی میں قدم قدم پر رکاوٹوں اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ایک ہی وقت میں لاکھوں آدمیوں کو وہ مناسک حج ادا کرنا ہوتے ہیں۔ اب چونکہ اس موقع پر لوگوں کا غیر معمولی ہجوم ہوتا ہے اور ہر کوئی ایک تگ و دو میں لگا ہوتا ہے اس لیے اس عالم میں ہر وقت اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان سے دانستہ یا نادانستہ کوئی تکلیف پہنچ جائے، یا کسی کو اپنا کوئی کام انجام دینے میں زحمت پیش آئے۔ اس لیے ایسے مواقع پر ہر شخص کو نہایت ضبط و تحمل سے کام لینا چاہیے اور کسی صورت میں بھی تنگ دلی اور تنگ مزاجی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس عالم میں اس بات کی سخت ضرورت ہوتی ہے کہ آدمی اپنے نفس پر ضبط کرے، باہم گالم گلوچ اور دنگا فساد سے پوری طرح بچے اور اس امر کی کوشش کرے کہ اس کی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ البتہ اگر کسی کی ذات سے اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو وہ اس کو صبر کے ساتھ برداشت کرے۔ یہ کم سے کم وہ چیز ہے جو آدمی کے حج کو بے عیب بناتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ 'فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ' (البقرہ ۲: ۱۹۷) "یعنی جو شخص حج کے مہینوں میں حج کی نیت کرے اسے خبردار رہنا چاہیے کہ حج کے دوران میں اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدکاری کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو۔"

حج کے دوران میں آدمی کا سب سے بڑا امتحان اسی معاملے میں ہوتا ہے اور جو آدمی حج میں لڑائی جھگڑا کرتا ہے ' دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث بنتا ہے اور دوسروں سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر نہیں کرتا وہ اپنے حج کے اجر کو بہت بڑی حد تک ضائع کر دیتا ہے۔

اس کے آگے اگر کوئی شخص خوبیوں والا حج کرنا چاہتا ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ کا ذکر کرنے میں صرف کرے ' بیٹھا ہوا فضول گپیں نہ ہانکے ' بیکار قصے گوئی نہ کرے۔ کسی کی برائی کرنا تو بڑی چیز ہے ' محض دنیاوی معاملات پر ہر وقت باتیں کرتے رہنا بھی حج کے اجر و ثواب کو کم کر دیتا ہے۔ اونچے درجے کا خوبیوں والا حج اگر آپ کو مطلوب ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے اوقات کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ کا ذکر کرنے میں ' نمازیں پڑھنے میں ' قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں ' نیکی اور بھلائی کی باتیں کرنے میں ' لوگوں کو اللہ کا دین سمجھانے میں اور ان کو منکرات اور فواحش سے روکنے میں صرف کریں۔ اگر آپ ان کاموں میں اپنے اوقات صرف کرتے ہوئے حج کریں گے تو ان شا اللہ وہ حج خوبیوں والا حج ہو گا اور اس پر آپ بہت بڑے اجر کے مستحق ہو سکیں گے۔ (خطبات حرم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں شانے پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہ کہ گویا کہ تو پردیسی ہے بلکہ راہ چلتا مسافر (بخاری)

شاہ ولی اللہؒ کے اصولِ تفسیر

تیسری قسط

مشکلات القرآن

۲۔ ناسخ و منسوخ

تفسیر میں بڑی مشکل ناسخ و منسوخ کی بحث سے پیدا ہوتی ہے۔ اس میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس مشکل کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ناسخ و منسوخ کی اصطلاح کی تعریف کے بارے میں متقدین اور متاخرین کے درمیان اختلاف ہے۔ صحابہ و تابعین اس کو فنی معنوں کے بجائے، معروف لغوی معنوں میں استعمال کرتے ہیں، یعنی کسی بھی شے کا ازالہ دوسری شے سے۔ مثلاً کسی آیت پر عمل کی مدت ختم ہونے کا اعلان، کسی عام بات کے مخصوص پہلو کا بیان، یا کسی جاہلی رسم و رواج، یا سابقہ شریعتوں کے کسی حکم کی تنسیخ۔ اس طرح نسخ اور اس کے بارے میں اختلاف کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا، یہاں تک کہ منسوخ آیات کی تعداد ۵۰۰ کے لگ بھگ پہنچ گئی۔ مگر متاخرین کی اصطلاح کے لحاظ سے یہ تعداد بہت تھوڑی ہے۔ سیوطی نے الاتقان میں، علما کی تمام آرا کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد، ۲۱ آیات کو منسوخ شمار کیا ہے۔ اس فقیر کے نزدیک، ان آیات پر غور و فکر کیا جائے تو منسوخ آیات کی تعداد ۵ سے زائد نہیں ہے۔

[یہاں شاہ صاحب نے ۲۱ آیات میں ہر آیت کے بارے میں بحث کی ہے]۔

۳۔ شانِ نزول

اسی طرح ایک بڑی مشکل شان نزول اور اسباب نزول کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس باب میں مشکل کی اصل وجہ متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے۔

۱۔ صحابہ و تابعین کے کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب کسی آیت کے شان نزول بیان کرتے ہوئے، نزلت فی کذا کہتے ہیں، تو ان کی مراد مجرد کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوتا جو عہد رسالت میں وقوع پذیر ہوا ہو اور آیت کے نزول کا سبب ہو۔ بلکہ (۱) کبھی وہ ایسا واقعہ یا مسئلہ یا صورت حال

بیان کرتے جس پر آیت صادق آتی ہو یا جس پر اس کا اطلاق ہوتا ہو---- خواہ وہ عہد نبویؐ میں پیش آیا ہو یا اس کے بعد اور نزلت فی کذا کہہ دیتے ہیں (حالانکہ وہ پہلے نازل ہو چکی ہوتی تھی)۔ ایسے مواقع پر یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ آیت کی تمام قیود و شرائط کا مذکورہ واقعہ پر اطلاق ہوتا ہو۔

(۲) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے حضورؐ کے سامنے کوئی مسئلہ اٹھایا، یا آپؐ کے عہد میں کوئی واقعہ پیش آیا، اور آپ نے کسی پہلے سے نازل شدہ آیت سے اس کے بارے میں حکم کا استنباط کرتے ہوئے اسے ان کے سامنے پڑھ دیا۔ صحابہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے بھی نزلت فی کذا کہہ دیتے ہیں۔ اس باب میں اس کی بھی گنجائش تھی کہ کسی نے اس کی تعبیر اس طرح کی کہ آیت دوبارہ نازل ہوئی۔

۲۔ محدثین قرآنی آیات کے شانِ نزول کے ضمن میں کثرت سے ایسی روایات بھی بیان کرتے ہیں جن کا اسباب نزول سے کوئی تعلق نہیں، اور تفسیر کرنے والے کے لیے بالکل ضروری نہیں کہ وہ ان کا ذکر کرے اور ان سے بحث کرے۔ مثلاً:

(۱) کہیں صحابہؓ نے اپنی بحث میں کسی آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے، یا اس کی مثال دی ہے۔

(۲) کہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو میں کسی آیت سے استشہاد کیا ہے۔

(۳) کہیں کوئی حدیث اپنے مقصد یا مفہوم میں کسی آیت کی مطابق ہے۔

(۴) کہیں آیت کے نزول کا مقام یا وقت متعین ہوتا ہے۔

(۵) کہیں آیت میں مذکور اشخاص کے ناموں کا پتہ چلتا ہے۔

(۶) کہیں کلمہ قرآنی کے تلفظ کا بیان ہے۔

(۷) کہیں آیات اور سورتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔

(۸) کہیں یہ بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے کسی حکم پر کس طرح عمل کیا۔

۳۔ شانِ نزول کے باب میں تفسیر کے لیے صرف دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے (۱) وہ قصص و واقعات جن کا آیات میں ذکر کیا گیا ہو اور جن کو جانے بغیر ان آیات کا مقصد و مفہوم سمجھنا آسان نہ ہو۔ (۲) وہ واقعات جن کے بغیر عام معانی کا اطلاق مخصوص صورتوں پر کرنا اور ظاہر معانی سے متبادر معانی سمجھنا مشکل ہو۔

یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ گذشتہ انبیا کے بارے میں بہت کم ہی واقعات صحیح احادیث میں بیان ہوئے ہیں اور وہ لمبے لمبے قصے جن کو مفسرین بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی تفاسیر میں بیان کرتے ہیں،

بالعموم اہلِ کتاب سے منقول ہیں۔ ان کے بارے میں صحیح بخاری میں آیا ہے کہ "اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو، نہ تکذیب"۔

۴۔ بعض صورتوں میں صحابہ و تابعین ایسے واقعات بیان کرتے ہیں جن سے مشرکین اور یہودیوں کے عقائد اور ان کی جاہلیت کی عادات و رسوم واضح ہو جائیں، اور آیت کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ نزلت فی کذا۔ ان کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آیت عقائد و اعمال کی انھی صورتوں کے لیے ہے، بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے زمانے کی صورت حال پر آیت کا اطلاق واضح ہو، لیکن یہ آیت اس طرح کے تمام امور کے لیے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اقوال و تعبیرات میں اتنا اختلاف پایا جاتا ہے، حالانکہ ان سب کا مقصود ایک ہوتا ہے۔ اسی بات کی طرف حضرت ابوالدرداؓ نے اشارہ کیا ہے کہ "کوئی آدمی فقیہ نہیں ہو سکتا، جب تک وہ ایک آیت کو مختلف معانی اور صورتوں پر محتمل نہ کر سکے"۔

۵۔ قرآن کے اسلوب کا یہ پہلو بھی جاننا ضروری ہے کہ وہ بعض جگہ نیک اور بد لوگوں اور ان کی صفات کا بیان کرتا ہے، مگر اس کے پیش نظر کوئی متعین شخص یا اشخاص نہیں ہوتے، بلکہ وہ ان صفات و اعمال کے عام احکام بیان کرتا ہے، (چنانچہ اس ضمن میں متعین اشخاص کی تلاش یا ذکر بے سود ہے)۔ مثلاً وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ — الخ، وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَيْرًا، قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ —— الخ، وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ —— الخ، غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ وغیرہ۔ اسی طرح ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً میں کسی متعین بستی کا ذکر مقصود نہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ایسی صورت میں تمام خصوصیات کسی ایک شخص یا بستی میں پائی جائیں۔ اسی طرح كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ —— الخ سے غرض اجر و ثواب کی زیادتی کی تصویر کشی ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ کوئی ایسا دانہ پایا جائے جس میں یہ صفت بِعَینہٖ موجود ہو۔

۶۔ بعض مقامات پر کسی شبہ کو رد کیا جاتا ہے، یا کسی سوال کا جواب دیا جاتا ہے: یہاں غرض کلامِ سابق کی وضاحت ہوتی ہے نہ یہ کہ کسی نے بعینہٖ یہی سوال کیا ہو یا یہ شبہ ظاہر کیا ہو۔ صحابہ کرامؓ ایسے مواقع پر سوال و جواب فرض کر کے اسی انداز میں تشریح کرتے ہیں۔ ہم نے جتنا غور کیا ہے پورے کلام کو سیدھا، مربوط اور منظم پایا ہے، جس میں اس بات کا کوئی احتمال نہیں کہ وہ ٹکڑوں میں مختلف اوقات میں نازل ہوا ہو۔

۷۔ بعض صورتوں میں صحابہؓ آیات میں تقدیم و تاخیر کا ذکر کرتے ہیں، مگر ان کی مراد مقام و معانی کے لحاظ سے تقدیم و تاخیر ہوتی ہے، نہ کہ ترتیب نزول کے لحاظ سے۔ مثلاً حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ کا حکم زکوٰۃ سے پہلے تھا، پھر زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ نے اموال کی پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا۔ اب ظاہر ہے کہ سورۃ توبہ آخری سورتوں میں سے ہے جس میں یہ آیت نازل

ہوئی' اور زکوٰۃ کا حکم بہت پہلے نازل ہوا۔ مگر حضرت ابن عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ ابتدا کے لحاظ سے اجمالی حکم کو تقدم حاصل ہے' اور تفصیلی حکم پہلے نازل ہونے کے باوجود متاخر ہے۔

۸۔ محدثین کے نزدیک' بخاری، ترمذی اور حاکم کی تفسیری روایات سب سے زیادہ صحیح ہیں۔ ایک طرف ان روایات سے غرائب القرآن کی شرح کا علم ہوتا ہے' دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسبابِ نزول کے بارے میں اکثر روایات کو آیاتِ قرآنی کے فہم میں کچھ دخل نہیں' سوائے ان چند روایات کے جو ان تین کتب میں آگئی ہیں۔ جہاں تک محمد بن اسحاق الکلبی کی ان روایات کا تعلق ہے جن میں انھوں نے ہر آیت کے تحت کوئی قصہ روایت کر دیا ہے' تو محدثین کے نزدیک یہ صحیح نہیں' اور ان کی اسناد بھی محل نظر ہیں۔

۹۔ اس باب میں خلاصہ یہ ہے کہ اسباب نزول کی تمام روایات کے جاننے کو فہم قرآن کے لیے ایک لازمی شرط قرار دینا صریحاً غلط ہے۔ اور یہ سمجھنا کہ اللہ کی کتاب پر تدبر اس بات پر موقوف ہے کہ ان سب روایات کا احاطہ کیا جائے' دراصل کتاب اللہ سے اپنا حصہ کھو دینے اور اس کی روح و جوہر کے ادراک سے محرومی کے مترادف ہے۔

۴۔ دیگر مشکلات

۱۔ توجیہ: بعض مقامات پر کوئی بات بعید از عقل و قیاس دنیا لگتی ہے' کہیں بظاہر آیت میں تناقض و تعارض محسوس ہوتا ہے' کہیں آیت کا مدلول سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ ان مقامات کو حل کرنے کا نام توجیہ ہے۔

۲۔ بعض مقامات پر کلام ایسی صورتیں اختیار کر لیتا ہے کہ مفہوم کو سمجھنے میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً (۱) کوئی لفظ یا فقرہ حذف کر دیا گیا ہو۔ (۲) ایک چیز کو دوسری چیز سے بدل دیا گیا ہو۔ (۳) مُؤخّر کو مُقدّم یا مقدم کو موخر کر دیا گیا ہو۔ (۴) متشابہات' تعریضات اور کنایات استعمال کیے گئے ہوں۔ (۵) معنوی مطالب کے بیان کے لیے محسوس صورتوں کا استعمال وغیرہ۔ [شاہ صاحب نے ان تمام مشکلات کو مثالوں سے واضح کیا ہے]۔

اسلوب القرآن

قرآن مجید عام کتابوں کے اسلوب پر نازل نہیں ہوا کہ ترتیب کے ساتھ ہر موضوع کے لیے الگ الگ باب اور فصلیں ہوں۔ قرآن ایسے پیغامات و فرامین کا مجموعہ سمجھیے جسے بادشاہ اپنی رعایا کی طرف ان کے احوال و ضروریات کے مطابق بھیجتے ہیں۔ اسی طرح مالکِ کائنات اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بندوں کی ہدایت و ارشاد کے لیے ایک سورۃ کے بعد دوسری سورۃ بھیجتا رہا۔ عہدِ نبویؐ میں ہر

سورۃ لکھی ہوئی محفوظ تھی 'لیکن ان کا کوئی مدوان مجموعہ موجود نہ تھا۔ یہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں مرتب ہوا۔

صحابہؓ نے سورتوں کو چار قسموں میں تقسیم کر رکھا تھا: (۱) السبع الطوال: سب سے زیادہ طویل سورتیں (۲) المئین: ۱۰۰ یا کچھ زائد آیات پر مشتمل ہیں۔ ۳۔ المثانی: جن کی آیات ۱۰۰ سے کم ہیں۔ ۴۔ المفصل: باقی تمام سورتیں۔

۱۔ اسلوب آغاز: (۱) بعض سورتیں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح سے شروع ہوتی ہیں۔ (۲) بعض میں سورۃ کے نزول کا مقصد بیان کر دیا جاتا ہے: مثلاً ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔ ۳۔ بعض بھیجنے والے اور جس کی طرف بھیجا گیا' ان دونوں کے ذکر سے شروع ہوتی ہیں۔ مثلاً تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ۔ (۴) بعض بلا تمہید و عنوان شروع ہو جاتی ہیں اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ (۵) کیونکہ عربوں کی فصاحت اور زورِ کلام سب سے زیادہ قصائد میں ظاہر ہوتی تھی جو ان کے معروف و قدیم اسلوب کے مطابق تشبیب اور عجیب و اہم واقعات کے ذکر سے شروع ہوتے تھے' اس لیے قرآن میں بھی یہ اسلوب اختیار کیا گیا: وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا، فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا۔ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ، وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ۔

۲۔ اسلوبِ اختتام: بادشاہوں کی فرامین کی طرح' اللہ تعالیٰ نے بھی سورتوں کو جوامع الکلم' تاکید و وصیت اور تہدید و تبشیر پر ختم کیا ہے۔

۳۔ آیات: اللہ تعالیٰ نے سورتوں کو قصائد کے اشعار کی طرح آیات میں تقسیم کیا ہے۔ لیکن اشعار اور آیات میں بنیادی فرق ہے۔ اشعار عروض و قوافی کے ان محدود اصطلاحی قواعد کے پابند ہوتے ہیں جو انسانوں نے اپنی اپنی قوموں اور زمانوں کے مزاج کے مطابق مدون کیے ہیں۔ اس کے برعکس' اگرچہ آیات میں بھی وزن اور قافیہ کا لحاظ ہے' لیکن وہ عملاً انسان کی اصل فطرت و طبیعت کے مطابق ہیں' نہ کہ فنی قواعد کے کہ تابع۔

بات یہ ہے کہ انسان کی فطرتِ سلیمہ وزن و قافیہ کے حسن و جمال سے لذت و حلاوت پاتی ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ جب کلام کے اجزا ایک دوسرے کے موافق ہوتے ہیں تو مخاطب کے نفس میں لذت پیدا کرتے ہیں' اور ایک کے مثل دوسرے کے انتظار کے لیے شوق۔ جب دونوں کا قافیہ ایک ہو' تو لذت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اشعار سے تلذذ کا سبب بھی انسانی فطرت کے اسی راز میں پوشیدہ ہے' جس پر اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اس بارے میں انسانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

چنانچہ جب اللہ جل شانہ نے چاہا کہ وہ انسان سے جو مٹی سے بنایا گیا ہے اسی کی زبان میں

خطاب کرے، تو اس کی قدرت و رحمت کا تقاضا ہوا کہ وہ اس اجمالی اور فطری حسن و جمال صوتی کی رعایت کرے جو انسانوں کے درمیان مشترک ہے، اور اسے اپنے کلام میں منضبط کر دے، نہ کہ ان قوانین و ضوابط کی جو ذوق و زمانے کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں۔ درحقیقت ان قوانین و ضوابط کی پابندی عجز و جہل کی دلیل ہے، اور اجمالی و فطری حسن کی رعایت جو کسی حال مین بھی فوت نہ ہو، ایک ایسا اعجاز ہے جو انسانی قدرت کی حد سے باہر ہے۔

چنانچہ ہم یہ اہم قاعدہ مُستَنبَط کر سکتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب حمید کی اکثر سورتوں میں صوتی جاذبیت، اور اس کے جمال و تاثیر کی پوری رعایت رکھی ہے، نہ کہ اشعار کی بحر طویل یا بحر مدید کی۔ اسی طرح اس نے فواصل میں ایک اوسط انسان کی سانس کا اعتبار کیا ہے، نہ کہ فن قافیہ کے قواعد کا۔ یہ مبحث تفصیل کا محتاج ہے، لیکن یہاں اتنا اشارا کافی ہے۔

سانس کا آنا اور جانا ایک امر طبیعی ہے، اس کو کھینچنا یا مختصر کرنا بھی انسان کے اختیار میں ہے۔ اللہ نے جس عام اور اوسط حد کا اعتبار کیا ہے، وہی قرآن کریم میں وزن ہے۔ کہیں طویل ہے، جیسے سورۃ نسا میں، کہیں متوسط ہے، جیسے سورہ اَعراف و اَنعام میں، کہیں قصیر ہے، جیسے سورۃ شعرا و دخان میں۔

بعض سورتوں کے صوتی اسلوب میں وزن اور قافیہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ ان کا اسلوب خطیبوں کے خطبوں اور حکیموں کی امثال کے طرز پر ہے۔ بعض میں کسی شے کی رعایت نہیں، بلکہ وہ انسانوں کے درمیان گفتگو کے طرز پر ہیں۔

۴۔ تکرار مضامین: قرآن مجید میں علومِ خمسہ کی جگہ جگہ تکرار کیوں ہے؟ ایک موضوع کو ایک ہی جگہ کیوں بیان نہیں کیا گیا؟

جو کچھ ہم کسی مخاطب سے کہتے ہیں اس کی غرض دو قسم کی ہوتی ہیں: (۱) اس چیز کی تعلیم و تلقین جو وہ جانتا نہ ہو۔ (۲) جو معلوم ہے اس کا استحضار حاصل ہو، دل اور عقل کی تمام قوتیں اس معلوم میں فنا ہو جائیں اور فکر و عمل اس کے رنگ میں رنگ جائیں۔ اس غرض کے لیے تکرار ضروری ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں دونوں اغراض کے لحاظ سے کہیں ایک بار تعلیم پر اکتفا کیا گیا ہے، جیسے احکام کے باب میں، اور کہیں تکرار کی گئی ہے۔ اسی لیے ہم کو کثرت تلاوت کا حکم دیا گیا ہے، صرف فہم و ادراک کافی نہیں۔ لیکن تکرار میں اس بات کی رعایت کی گئی ہے کہ ہر بار عبارت بھی نئی ہو اور اسلوب بھی نیا ہو، تاکہ وہ اکثر لوگوں کے ذہن و عقل میں اتر جائے۔

کلام نبویؐ کی صحبت میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ایک شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! ایک شخص جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلتا ہے، مگر وہ دنیا کا مال و اسباب بھی چاہتا ہے، (اس کا کیا بنے گا)؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں۔

لوگوں کو یہ بات بڑی لگی۔ انھوں نے اس شخص سے کہا کہ تم دوبارہ جاکر رسول اللہؐ سے پوچھو، شاید تم ان کی بات سمجھ نہیں سکے۔ وہ شخص دوبارہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: یا رسول اللہؐ ایک شخص جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلتا ہے، مگر ساتھ ہی وہ دنیا کا مال و اسباب بھی چاہتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں۔

لوگوں (کو اب بھی یقین نہ آیا، اور انھوں) نے اس سے کہا جاؤ اور رسول اللہؐ سے پھر دریافت کرو۔ اس نے تیسری بار آپؐ سے یہی سوال کیا۔ آپؐ نے پھر فرمایا: اس کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں ہے (ابوداؤد، بحوالہ مشکوٰۃ)۔

ایک اور روایت کے مطابق، آپؐ نے آخر میں فرمایا: اللہ کسی عمل کو قبول نہیں کرتا جب تک وہ خالص اور اللہ کی رضامندی کے لیے نہ ہو۔

شخصیت کا مرکز دل ہے، اصل عمل دل کا عمل ہے، اصل کمائی دل کی کمائی ہے، گناہ کا داغ دل ہی پر پڑتا ہے، نجات اور جنت اسی کے لیے ہے جو قلب کو سلامت لیے اللہ کے حضور حاضر ہوا۔

اس لیے اعمال کے اجر و ثواب کا انحصار ان کی ظاہری شکل و صورت پر نہیں، بلکہ اس بات پر ہے کہ وہ عمل خالصتاً لوجہ اللہ اور رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر ہو۔

نیک اعمال میں سب سے چوٹی کا عمل اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ جہاد کی نیت میں بھی اگر رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ دنیا کی ملاوٹ ہو جائے دنیاوی نفع کی، مال کی، جاہ کی، شہرت کی، مخلوق کی تعریف کی، عصبیت کی ----- تو جہاد کا سارا اجر ضائع ہو جاتا ہے۔

صرف قتال فی سبیل اللہ کے معاملے ہی میں نہیں ہر طرح کے جہاد میں: دعوت و تبلیغ ہو، سیاست ہو، تحریر ہو، تقریر ہو، عہدہ و منصب اور امارت ہو، تابع داری و اطاعت ہو۔

جو دین کا کام کر رہا ہو اس کو ہر وقت اپنی نیت کا احتساب کرنا چاہیے' اس کو خالص رکھنا چاہیے' اور بلا اختیار ملاوٹ داخل ہو جائے تو فوراً اللہ سے استغفار کرنا چاہیے۔

----O----

حضرت شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان قبول کیا اور آپؐ کے ساتھ ہو لیا۔ اس نے حضورؐ سے کہا: میں آپؐ کے ساتھ مہاجر بنوں گا۔ آپؐ نے بعض اصحاب کو اس کی خبرگیری کرنے کی ہدایت فرمائی۔

جب غزوۂ خیبر میں آپؐ کو مال غنیمت ملا' اور آپؐ نے اسے تقسیم فرمایا' تو آپؐ نے اس کا بھی حصہ لگایا' اور وہ حصہ اس کے ساتھیوں کے سپرد کر دیا۔ وہ اپنے ان ساتھیوں کے جانور چرایا کرتا تھا۔ جب شام کو وہ واپس آیا' تو ساتھیوں نے اسے اس کا حصہ دیا۔

اس نے پوچھا: یہ کیا ہے! ساتھیوں نے کہا: یہ تمہارا حصہ ہے جو رسول اللہؐ نے تقسیم میں تمہیں دیا ہے۔

اس نے کہا: میں نے اس کی خاطر تو آپؐ کا اتباع نہیں کیا۔ میں نے تو آپؐ کا اتباع اس غرض سے کیا ہے کہ میرے یہاں تیر لگے' (اور اس نے اپنے حلق کی طرف تیر سے اشارا کیا)' تاکہ میں مر جاؤں اور جنت میں داخل ہو جاؤں۔

ساتھی نے اس سے کہا: اگر تو نے سچ کہا ہے تو اللہ تجھے سچا کر دکھائے گا۔

پھر ان لوگوں نے دشمنوں کے ساتھ جہاد کیا' (اور یہ اعرابی بھی ان کے ساتھ تھا)۔ اس کو لاد کر حضورؐ کے پاس لایا گیا۔ تیر اس کے حلق میں اسی جگہ پیوست تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔

حضورؐ نے پوچھا: یہ وہی ہے! صحابہؓ نے عرض کیا: جی ہاں۔

حضورؐ نے فرمایا: اس نے اللہ کے ساتھ اپنا معاملہ سچا رکھا' اللہ نے اس کو سچا کر دکھایا۔ پھر آپؐ نے اس کو اپنے جبہ مبارک میں کفن دیا' آگے بڑھ کر اس کی نماز جنازہ پڑھائی' اور جنازے کی نماز میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے:

اے میرے اللہ' یہ تیرا بندہ ہے! ہجرت کر کے تیرے راستے میں نکلا! شہید ہو کر قتل کیا گیا ہے! اور میں اس پر گواہ ہوں! (البیقی، نسائی)۔

شہادت کی تمنا اور آرزو دیکھیے! تازہ ایمان' عمل قلیل مگر دل جان لٹانے کے نشہ سے سرشار۔

اعزاز و اکرام دیکھیے! حضورؐ کی گواہی سے بڑی چیز اور کیا نصیب ہو سکتی ہے۔

حضرت ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

حضرت علبہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے۔ (غزوۂ تبوک کے موقع پر) جب حضورؐ نے لوگوں کو اللہ کی راہ میں مال دینے کی ترغیب دی تو ہر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ لایا۔ حضرت علبہؓ کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ وہ رات کو کھڑے ہوگئے ' دیر تک جب تک اللہ نے چاہا نماز پڑھی 'خوب روئے 'پھر دعا مانگی:

اے میرے اللہ 'تو نے ہمیں جہاد کا حکم دیا 'جہاد کی ترغیب دی 'مگر تو نے ہمیں اتنا مال نہیں دیا جس سے ہم جہاد کر سکیں 'نہ تو نے اپنے رسول کے ہاتھ میں اتنا دیا کہ آپ ہم کو سواری دے سکیں۔ اے اللہ ' میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کو میں صدقہ دوں۔ اے میرے اللہ ' مسلمانوں میں سے جس کسی نے میرے اوپر کوئی ظلم و ستم کیا ہے ' میرے مال کے بارے میں 'یا جسم کے بارے میں 'یا عزت کے بارے میں 'وہ میں صدقہ کرتا ہوں (معاف کرتا ہوں)۔

صبح ہی صبح یہ لوگوں کے پاس پہنچے۔ حضورؐ نے فرمایا: گذشتہ رات میں (اپنی عزت کا) صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ وہ کھڑا ہو جائے۔ حضرت علبہ کھڑے ہوگئے اور کہا: میں ہوں 'یا رسول اللہؐ۔ آپؐ نے فرمایا: اے علبہ 'مبارک ہو 'قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ' تمہارا یہ صدقہ قبول کی ہوئی زکوٰۃ میں لکھا گیا۔ (البزار ، ابن ابی الدنیا ، کنز العمال ، البدایہ ، بحوالہ حیاۃ الصحابہ)۔

بظاہر آدمی بالکل خالی ہاتھ ہو 'اور جیب خالی ہو 'مگر دل کو لگی ہوئی ہو 'تو اللہ کی راہ میں دینے کے ہزار طریقے ہیں 'جن کو قبولیت سے نوازا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ہم لوگ رسول اللہؐ کے ساتھ ایک (جہاد کے) سفر میں تھے۔ ہم میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض بے روزہ۔ ہم لوگوں نے ایک منزل میں پڑاؤ ڈالا۔ دن اتنا سخت گرم تھا کہ ہم میں سب سے زیادہ سایہ اس کے اوپر تھا جس پر کمبل تھا 'اور بعض آدمی اپنے ہاتھوں ہی سے دھوپ سے بچاؤ کر رہے تھے]۔ جو روزہ دار تھے وہ تو ڈھیر ہوگئے ' اور انھوں نے کوئی کام نہیں کیا 'لیکن جو بے روزہ تھے وہ کھڑے ہوگئے 'انھوں نے خیمے لگائے اور جانوروں کو پانی پلایا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: آج تو بے روزہ دار لوگ سارا ثواب لے گئے۔ (بخاری، مسلم، بحوالہ مشکوۃ)۔

حضرت ابو قلابہؒ کہتے ہیں: کچھ لوگوں نے (ایک سفر سے واپسی پر) اپنے ایک ساتھی کی بہت تعریف کی 'اور کہا: ہم نے اس جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ جب تک سفر میں چلتا 'قرآن پڑھتا رہتا 'جب

ہم لوگ پڑاؤ ڈالتے تو یہ نماز میں لگ جاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس کے سامان کی دیکھ بھال کون کرتا تھا؟ آپؐ نے یہ بھی پوچھا: اس کے اونٹ یا جانور کو چارا کون دیتا تھا؟]

لوگوں نے بتایا: یہ کام ہم ہی لوگ انجام دیتے تھے۔

آپؐ نے فرمایا: تم سب اس سے افضل ہو۔ (ابو داود، الترغیب)

اعمال کے درجات ہیں۔ یہ درجات اعمال کی نوعیت پر بھی منحصر ہیں اور جن حالات میں عمل کیا جائے ان پر بھی۔

اسی بات کو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو وصیت کرتے ہوئے بڑے خوب صورت انداز میں یوں بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ حقوق رات میں ہیں، انھیں وہ دن میں قبول نہیں کرتا۔ اور کچھ حقوق دن میں ہیں، انھیں وہ رات میں قبول نہیں کرتا۔

کیونکہ ہر وقت اور ہر حال میں وہی اعمال افضل اور قابل قبول ہیں جو اس وقت اور حالت کا تقاضا ہیں۔ جیسے سفر میں روزہ اور نفلی عبادات کے مقابلے میں سفر کی ضروریات اور تقاضے پورے کرنا ہی اللہ کو مطلوب ہے۔

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں:

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ابوذر، کیا تم سمجھتے ہو کہ دولت مندی یہ ہے کہ مال بہت ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں حضورؐ (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے)

پھر آپؐ نے فرمایا: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ فقیری یہ ہے کہ مال کم ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں حضور، (ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے)۔

یہ بات آپؐ نے مجھ سے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا: اصل دولت مندی دل کے اندر ہوتی ہے، اور اصل محتاجی اور فقیری بھی دل ہی میں ہوتی ہے (طبرانی)۔

اصل دولت مندی یہ ہے کہ دل میں دنیا اور مال سے بے نیازی ہو، قناعت ہو، اور مال کا کم ہونا یا زیادہ ہونا دل کے لیے یکساں معاملہ سے ہو۔

اصل فقیری یہ ہے کہ دل مال میں اٹکا ہوا ہو، اور زیادہ سے زیادہ کی ہوس کا اسیر ہو، اور اسی کا محتاج ہو کہ مال بڑھتا رہے۔

حضرت ابوذرؓ ایک اور روایت میں بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، اور فرمایا: کیا تم بیعت کرنا چاہتے ہو، جس کے بدلے میں تمھارے لیے جنت ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، اور میں نے بیعت کے لیے ہاتھ پھیلایا۔ آپؐ

نے بیعت لیتے ہوئے مجھے پابند فرمایا کہ لوگوں سے کوئی چیز نہ مانگنا۔ میں نے کہا: بہت بہتر۔ آپؐ نے فرمایا: کوڑا اٹھا کر دینے کا سوال بھی نہ کرنا، اگر تمھارے ہاتھ سے گر پڑے تو تم خود اترنا اور اس کو اٹھانا (احمد، الترغیب)۔

ایک اور روایت میں حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ہم سات، آٹھ یا نو آدمیوں سے اس بات پر بیعت لی کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا۔ ان میں بعض حضرات کو دیکھا گیا کہ اگر سواری پر ان کا کوڑا گر جاتا، تو کسی سے یہ نہ کہتے کہ یہ ہمیں اٹھا کر دے دو (مسلم)۔

استعداد اور درجات کے اختلاف کے لحاظ سے تربیت کے انداز اور مطالبات بھی مختلف تھے۔ جو اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کا اقرار کرے، اس کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ مخلوق سے کچھ نہ مانگے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے، جب آدمی اللہ کے سوا کسی کا محتاج نہ سمجھے، نہ بننا چاہے۔

اسلامی ورثہ کی ایک قیمتی دستاویز

حضرت علیؓ کی ایک اثر آفرین وصیت

انتخاب : عبدالحیٔ ابڑو

صفین کی ہولناک جنگ سے واپسی پر حضرت علیؓ نے اپنے لخت جگر حضرت حسنؓ کے لیے یہ وصیت نامہ لکھا جو اپنی اثر انگیزی' جامعیت اور انوکھے پن کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔

دل شکستہ' بے بس' دنیا سے بیزار' مسافرعدم آباد' بوڑھے باپ کی وصیت۔ ۔ کم سن' آرزو مند' راہرو راہ مرگ' ہدف امراض' اسیر دنیا' تاجر غرور' مقروض اجل' قیدی موت' حلیف تردد' قرین حزن' نشانہ آفات' مغلوب نفس' جانشین اموات' نوخیز فرزند کے نام۔

فرزند' زمانے کی گردش' دنیا کی بے وفائی اور آخرت کی نزدیکی نے مجھے ہر طرف سے غافل کر کے صرف آنے والی زندگی کے اندیشوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ اب مجھے اپنی فکر ہے۔ تمام نشیب و فراز پیش نظر ہے۔ بے نقاب حقیقت آنکھوں کے سامنے ہے۔ سچا معاملہ روبراہ ہے۔ اسی لیے میں نے یہ وصیت تیرے لیے لکھی ہے۔ خواہ تیرے لیے زندہ رہوں یا فوت ہو جاؤں۔ کیونکہ مجھ میں تجھ میں کوئی فرق نہیں۔ تو میری جان ہے' میری روح ہے۔ تجھ پر آفت آئے گی تو مجھ پر پہلے آئے گی۔ تیری موت میری موت ہوگی۔

فرزند' (میں تجھے وصیت کرتا ہوں) خدا سے خوف کر' اس کے حکم پر کاربند ہو۔ اس کے ذکر سے قلب کو آباد کر۔ اسی کی رسی کو مضبوطی سے تھام۔ کیونکہ اس رشتے سے زیادہ مستحکم کوئی رشتہ نہیں جو تجھ میں اور تیرے خدا میں موجود ہے' بشرطیکہ تو خیال کرے۔

فرزند' دل کو موعظت سے زندہ کر' زہد سے مار' یقین سے قوت دے' حکمت سے روشن کر' موت کی یاد سے اس پر قابو پا' فانی ہونے کا اس سے اقرار لے' مصائب یاد دلا کر اسے ہوشیار بنا' زمانے کی نیرنگیوں سے اسے ڈرا' بچھڑ جانے والوں کی حکایتیں اسے سنا' گزرے ہوؤں کی تباہی سے اسے عبرت دلا' ان کی اجڑی ہوئی بستیوں میں گشت کر' ان کی عمارتوں کے کھنڈر دیکھ اور دل سے سوال کر:

ان لوگوں نے کیا کیا؟ کہاں چلے گئے؟ کدھر رخصت ہو گئے؟ کہاں جاکر آباد ہو گئے؟

ایسا کرنے سے تجھے معلوم ہو جائے گا کہ وہ اپنے دوست و احباب سے جدا ہو گئے' ویرانوں میں جا بسے اور تو بھی بس دیکھتے ہی دیکھتے انھی جیسا ہو جائے گا۔ لہٰذا اپنی جگہ درست کر لے۔ آخرت کو دنیا کے بدلے نہ بیچ' بے علمی کی حالت میں بولنا چھوڑ دے' بے ضرورت گفتگو سے پرہیز کر' جس راہ میں بھٹک جانے کا اندیشہ ہو اس سے باز رہ۔ کیونکہ قدم کا روک لینا ہولناکیوں میں پھنسنے سے بہتر ہے۔

تو نیکی کی تبلیغ کرے گا تو نیکوں میں سے ہو جائے گا۔ برائی کو اپنی زبان سے برا ثابت کر' بروں سے الگ رہ۔ خدا کی راہ میں جہاد کر' جیسا حق ہے جہاد کرنے کا۔ خدا کے معاملے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہ ڈر۔ حق کے لیے مصائب کے طوفان میں کود جا۔ دین میں تفقہ حاصل کر۔ مصائب کی برداشت کا عادی بن' کیونکہ برداشت کی قوت بہترین قوت ہے۔

سب کاموں میں اپنے لیے خدا کی پناہ تلاش کر' اسی طرح تو مضبوط جائے پناہ اور غیر مسخر قلعے میں پہنچ جائے گا۔

اپنے خدا سے دعا کرنے میں کسی کو شریک نہ کر' کیونکہ بخشش و عطا' منع و حرمان' سب خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ استخارہ زیادہ کیا کر۔ میری یہ وصیت خوب سمجھ لے۔ اس سے روگردانی نہ کرنا' وہی بات ٹھیک ہوتی ہے جو مفید ہوتی ہے۔ بے فائدہ علم بے کار ہے اور اس کی طلب ناروا۔

فرزند' جب میں نے دیکھا کہ آخر عمر کو پہنچ گیا ہوں اور ضعف بڑھتا جاتا ہے تو یہ وصیت لکھنے میں مجھے جلدی کرنا پڑی۔ میں ڈرا' کہیں وصیت سے پہلے ہی مجھے موت آ جائے۔ یا جسم کی طرح عقل بھی کمزور پڑ جائے۔ یا تجھ پر نفس کا غلبہ ہو جائے' یا دنیاوی فکریں تجھے گھیر لیں اور تو سرکش گھوڑے کی طرح قابو سے باہر ہو جائے۔ نوعمروں کا دل خالی زمین کی طرح ہوتا ہے جو ہر بیج قبول کر لیتی ہے۔

اسی خیال سے میں نے وصیت لکھنے میں جلدی کی' تاکہ دل کے سخت ہونے اور ذہن کے دوسری طرف لگ جانے سے پہلے ہی تو اس معاملے کو سمجھ لے' جس کے تجربے اور تحقیق سے اگلوں نے تجھے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس کی راہ کی تگ و دو اور تجربے کی تلخیوں سے تجھے بچا لیا ہے۔ وہ چیز تیرے پاس بلاکلفت پہنچ رہی ہے جس کی جستجو میں ہمیں خود نکلنا پڑا تھا' اب وہ سب تیرے سامنے آ رہا ہے جو شاید ہماری نگاہوں سے بھی اوجھل رہ گیا ہو۔

فرزند' میری عمر اتنی دراز نہیں جتنی اگلوں کی ہوا کرتی تھی' تاہم میں نے ان کی زندگی پر غور اور ان کے حالات میں تفکر کیا ہے' ان کے پیچھے بحث و جستجو میں نکلا ہوں۔ حتیٰ کہ اب میں انھی کا ایک فرد ہو چکا ہوں۔ بلکہ ان کے حالات سے حد درجہ واقف ہونے کی وجہ سے گویا ان کا اور ان کے بزرگوں کا ہم سن بن گیا ہوں۔

اسی طرح یہاں کا شیریں و تلخ' سفید و سیاہ' سود و زیاں' سب مجھ پر کھل گیا ہے۔ اس سب میں سے میں نے تیرے لیے ہر اچھی بات چن لی ہے' ہر خوشنما چیز منتخب کر لی ہے۔ ہر بری اور غیر ضروری بات تجھ سے دور رکھی ہے اور چونکہ مجھے تیرا ویسا ہی خیال ہے جیسا شفیق باپ کو بیٹے کا ہوتا ہے' اس لیے میں نے چاہا کہ یہ وصیت ایسی حالت میں ہو کہ تو ابھی کم عمر ہے' دنیا میں نووارد ہے۔ تیرا دل سلیم ہے' نفس پاک ہے۔

پہلے میں نے ارادہ کیا تھا کہ تجھے صرف کتاب اللہ اور اس کی تفسیر اور شریعت اور اس کے احکام' حلال و حرام کی تعلیم دوں گا' پھر خوف ہوا' مبادا تجھے بھی اسی طرح شکوک و شبہات گھیر لیں جس طرح لوگوں کو نفس پرستی کی وجہ سے گھیر چکے ہیں۔ لہٰذا میں نے یہ وصیت ضروری سمجھی۔ یہ تجھ پر شاق ہو سکتی ہے مگر میں نے اسے پسند کر لیا اور گوارا نہ کیا کہ ایسی راہ میں تجھے تنہا چھوڑ دوں جس میں ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ امید ہے خدا میری وصیت کے ذریعے تجھے ہدایت دے گا اور سیدھی راہ کی طرف تیری راہنمائی کرے گا۔

فرزند' تیری جس بات سے میں خوش ہوں گا' یہ ہے کہ تو خدا سے خوف کرے' اس کے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کرے' اپنے اسلاف اور خاندان کے پاک بزرگوں کی راہ پر گامزن ہو۔ کیونکہ جس طرح آج تو اپنے آپ کو دیکھتا ہے' اسی طرح کل وہ بھی اپنے آپ کو دیکھتے تھے۔ آخر تجربوں نے انھیں مجبور کر دیا کہ سیدھی راہ پر آجائیں اور فضول باتوں سے پرہیز کریں۔

لیکن اگر تیری طبیعت یہ قبول نہ کرے اور انھی کی طرح بذات خود تجربے حاصل کرنے پر مصر ہو' تو بسم اللہ' تجربہ شروع کر' مگر عقل و دانائی کے ساتھ' شبہوں اور بحثوں میں بے عقلی سے الجھ کر نہیں۔ اور اس سے پہلے کہ یہ کام تو شروع کرے' اپنے خدا سے مدد کا خواستگار ہو' اس کی توفیق کا طالب ہو' اور ہر قسم کے شبہات سے پرہیز کر' کیونکہ شبہات تجھے حیرت و گمراہی میں ڈال دیں گے۔ جب تجھے یقین ہو جائے کہ قلب صاف ہو کر قبضے میں آگیا ہے' عقل پختہ ہو کر جم گئی ہے' اور ذہن میں یکسوئی پیدا ہو چکی ہے' تو اس وقت اس وادی میں قدم رکھ ورنہ تیرے لیے یہ راہ تاریک ہو گی اور تو اس میں بھٹکتا پھرے گا۔ حالانکہ طالب دین کو نہ بھٹکنا چاہیے' نہ حیرت میں پڑنا چاہیے۔ ایسی حالت میں طالب دین کے لیے اس راہ سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔

فرزند' میری وصیت خوب سمجھ' اور جان لے کہ جس کے ہاتھ میں موت ہے اسی کے ہاتھ میں زندگی بھی ہے' جو پیدا کرنے والا ہے وہی مارنے والا ہے' جو فنا کرتا ہے وہی حیات نو بھی بخشتا ہے' اور جو مصیبت میں ڈال کے امتحان لیتا ہے وہی نجات بھی دیتا ہے۔

یقین کر دنیا کا قیام' اللہ کے اس ٹھہرائے ہوئے قانون پر ہے کہ انسان کو نعمتیں بھی ملتی ہیں اور

ابتلا و آزمائش بھی پیش آتی ہے ' اور پھر آخرت میں آخری جزا دی جاتی ہے ' جس کا ہمیں علم نہیں۔ اگر کوئی بات تیری سمجھ میں نہ آئے تو انکار نہ کر ' بلکہ اسے اپنی کم سمجھی پر محمول کر کے غور کر۔ کیونکہ اول اول تو جاہل ہی پیدا ہوا تھا ' پھر بتدریج علم حاصل ہوا۔ اور ابھی نہیں معلوم کتنی باتیں ہیں جن سے تو لاعلم ہے ' جن میں تیری عقل حیران رہ جاتی ہے اور بصیرت کام نہیں دیتی۔ لیکن بعد چندے ان کا علم تجھے ہو جاتا ہے۔ پس تیری وابستگی اسی ذات سے ہو جس نے تجھے پیدا کیا ہے ' رزق دیا ہے اور تیری خلقت پوری کی ہے۔ اسی کے لیے تیری عبادت ہو ' اسی کی طرف تیرا سر جھکے ' اسی سے تیری خشیت ہو۔

فرزند ' خدا کی بابت کسی نے ویسی تعلیم نہیں دی جیسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنا راہ نما بنا اور نجات کے لیے انھی کو قطب نما تصور کر۔

میں نے تجھے نصیحت کرنے میں کوتاہی نہیں کی ' اور یقین کر ' اپنی بھلائی کے لیے تو کتنا ہی غور کرے ' میرے برابر غور نہ کر سکے گا۔

فرزند ' اگر تیرے پروردگار کا کوئی شریک ہوتا تو اس کے بھی رسول آتے ' اس کی سلطنت و حکومت کے آثار دکھائی دیتے ' اس کے افعال و اعمال بھی ظاہر ہوتے۔ مگر نہیں ' وہ اللہ تو ایک ہی ہے ' جیسا کہ خود اس نے اپنے بارے میں فرمایا ہے۔ اس کی حکومت میں کوئی شریک نہیں ' ہمیشہ سے ہے ' ہمیشہ رہے گا ' سب سے اول ہے مگر خود کی ابتدا نہیں ' سب سے آخر ہے ' مگر خود کی انتہا نہیں۔ اس کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ قلب کے تصور اور بصر کے ادراک پر اس کی ربوبیت موقوف ہو۔

پس تیرا عمل ویسا ہو جیسا اس شخص کا ہوتا ہے جس کی حیثیت چھوٹی ہے ' مقدرت کم ہے ' اور اپنے پروردگار کی طرف ' اس کی اطاعت کی جستجو میں ' اس کی عقوبت کی دہشت میں ' اور اس کے غضب کے خوف میں ' جس کی محتاجی بہت بڑی ہے۔ یاد رکھ تیرے پروردگار نے تجھے اچھی باتوں ہی کا حکم دیا ہے اور صرف برائیوں سے منع کیا ہے۔

فرزند ' میں نے تجھے دنیا کا نقشہ دکھایا ہے ' اس کی حالت بتا دی ہے ' اس کے ناپائیدار اور ہرجائی ہونے کی خبر سنا دی ہے ' آخرت کی حالت بھی تیرے پیش نظر کر دی ہے ' اور اس کی لذت و نعیم کی بھی خبر دے دی ہے۔ میں نے مثالیں دے کر سمجھایا ہے تاکہ تو عبرت حاصل کرے اور ان پر عمل پیرا ہو۔

جن لوگوں نے دنیا کو پرکھ لیا ہے اور اس کی جدائی سے گھبراتے نہیں ' ان کی مثال ایسے مسافروں کی ہے جو ناموافق اور قحط زدہ علاقہ چھوڑ کر سرسبز و زرخیز علاقے کی طرف روانہ ہوئے ہیں۔ یہ مسافر راہ کی تکلیفیں برداشت کرتے ہیں ' احباب کی جدائی گوارا کرتے ہیں ' سفر کی مشقتیں اٹھاتے ہیں ' خوراک کی خرابی سہتے ہیں ' تاکہ کشادہ اور آرام دہ مقام پر پہنچ جائیں۔ کسی تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتے ' کسی

خرچ سے جی نہیں چراتے ۔ ان کے لیے ہر وہ قدم جو منزل مقصود کی طرف بڑھتا ہے سب سے زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے ۔ لیکن جو لوگ دنیا سے چمٹے ہوئے ہیں اور اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے ' ان کی مثال اس مسافر جیسی ہے جو سرسبز و شاداب زمین چھوڑ کر قحط زدہ زمین کی طرف چلا ہے ' اس کے لیے یہ سفر بدترین اور خوفناک سفر ہو گا ۔ اصلی مقام کی جدائی اور نئے مقام میں آمد کو وہ بھیانک مصیبت سمجھے گا ۔

فرزند ' اپنے اور دوسروں کے درمیان خود اپنی ذات کو میزان بنا ۔ جو بات تجھے اپنے لیے پسند ہے ' وہی ان کے لیے بھی پسند کر ۔ اور جو بات تو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے ان کے حق میں بھی ناپسند کر ۔ کسی پر ظلم نہ کر ' کیونکہ دوسرے کا ظلم تو اپنے آپ پر نہیں چاہتا ۔ سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آ ' جس طرح تیری خواہش ہے کہ وہ تجھ سے پیش آئیں ۔ لوگوں کی جو باتیں ناپسند ہوں اپنی بھی وہ باتیں ناپسند کر ۔ اگر لوگ تجھ سے وہی برتاؤ کریں جو تو ان سے کرتا ہے تو اسے ٹھیک سمجھ ۔ بغیر علم کے کچھ نہ کہہ ۔ اگرچہ تیرا علم کتنا ہی کم ہو ۔ اور ایسی بات کسی کے حق میں نہ کہہ جو خود تو ان سے اپنے لیے سننا نہیں چاہتا ۔

خود پسندی حماقت ہے اور نفس کے لیے ہلاکت ' لہٰذا سلامت روی سے اپنی راہ طے کر ۔ دوسروں کے لیے خزانچی نہ بن ۔ جب تجھے خدا سے روشنی مل جائے تو تیرا تمام تر خوف صرف اپنے پروردگار سے ہو ۔

فرزند ' تیرے سامنے ایک دور دراز ' دشوار گزار سفر درپیش ہے ' اس سفر میں حسن طلب کی بڑی ضرورت ہے ۔ اس سفر میں تیرا بوجھ ضرورت سے زیادہ نہ ہونے پائے ۔ کیونکہ اگر تو طاقت سے زیادہ بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھا کے چلے گا تو تیرے لیے وبال جان بن جائے گا ۔ لہٰذا اگر "بھوکے مزدور" تیرا زاد راہ قیامت تک کے لیے اٹھانے کو مل رہے ہوں تو انھیں غنیمت جان ' اور انھیں کھانا کھلا کر اپنا بوجھ ان پر رکھ دے ' تاکہ کل ضرورت پر یہ توشہ تجھے کام دے ۔ مقدرت کی حالت میں ' تیرا یہ توشہ بار ہو جانا چاہیے کہ مبادا ضرورت آ گھیرے اور تو کچھ نہ پائے ۔ دولت مندی کے زمانہ میں اگر کوئی قرض مانگے تو فوراً دے دے ' تاکہ قیامت کے دن ناداری کے زمانہ میں وہ تجھے واپس مل جائے ۔

فرزند ' تیرے سامنے ایک کٹھن گھاٹی ہے ۔ اس گھاٹی میں ایک ہلکا پھلکا آدمی ایک بوجھل آدمی سے بہتر ہے ' اور سست رفتار تیز رفتار سے بدتر ہے ۔ تیرا اس گھاٹی سے گزرنا لازمی ہے ۔ اس کے بعد جنت ہے یا دوزخ ' لہٰذا آخری منزل پر پہنچنے سے پہلے اپنا پیش خیمہ بھیج دے ' اور قیامت سے پہلے ہی جگہ ٹھیک کر لے ۔ کیونکہ مرجانے کے بعد نہ معذرت ممکن ہو گی نہ دنیا کی طرف واپسی ۔

یقین کر جس کے دست تصرف میں آسمان و زمین کے خزانے ہیں ' اس نے مانگنے کی اجازت

دے دی ہے اور قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ۔ اس نے کہا ہے کہ مانگ مل جائے گا ' رحم کی التجا کر رحم کیا جائے گا ۔ اس نے اپنے اور تیرے درمیان دربان کھڑے نہیں کیے جو تجھے اس کے حضور پہنچنے سے روکیں ' نہ سفارشیوں ہی کا تجھے محتاج بنایا ہے جو اس کے سامنے تیری سفارش کریں ۔ تیری توبہ ٹوٹ جاتی ہے تو بھی وہ تجھے نہ محروم کرتا ہے نہ تجھ سے انتقام لیتا ہے ' اور جب تو دوبارہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ نہ تجھ پر طعنہ زن ہوتا ہے نہ تیری پردہ دری کرتا ہے ' حالانکہ تو اس کا مستحق ہوتا ہے ۔ وہ توبہ کے قبول کرنے میں حجت نہیں کرتا ' اپنی رحمت سے مایوس ہونے نہیں دیتا ' بلکہ اس نے توبہ کو نیکی قرار دیا ہے ۔ ایک بدی کو وہ بزرگ و برتر ایک ہی گنتا ہے ' مگر ایک نیکی دس شمار کرتا ہے ۔ اس نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے ' وہ تیری پکار سنتا ہے ' تیری مناجات پر کان دھرتا ہے ' تو اس سے مرادیں مانگتا ہے ' دل کی حالت بیان کرتا ہے ' اپنی بپتا سناتا ہے ' اپنی مصیبتوں کی فریاد کرتا ہے ' اپنی مشکلوں میں مدد مانگتا ہے ' تو اس سے عمر کی درازی ' جسم کی تندرستی ' رزق کی کشادگی چاہتا ہے ' اور اس کی رحمت کے ایسے ایسے خزانے طلب کرتا ہے جو اس کے سوا کوئی اور دے نہیں سکتا ۔ غور کر ' اس نے طلب کی اجازت دے کر اپنی رحمت کی کنجیاں تیرے حوالے کر دی ہیں ۔ تو جب چاہے دعا کر کے اس کی نعمتوں کے دروازے کھلوا لے ' رحمتوں کا مینہ برسوا لے ۔ لیکن اگر اجابت دعا میں دیر ہو تو مایوس نہ ہو ' کیونکہ قبول دعا کا مدار نیت کی صحت پر ہے ۔ کبھی اجابت دعا میں اس لیے دیر ہوتی ہے کہ سائل کو زیادہ ثواب ملے ' امیدوار کو زیادہ بخشش دی جائے ۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی مانگتا ہے اور بظاہر محروم رہتا ہے ' مگر جلد یا بدیر طلب سے زیادہ اسے دیا جاتا ہے ۔ یا پھر محرومی ہی اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے ۔ نہیں معلوم کتنی مرادیں ایسی ہیں کہ پوری ہو جائیں تو انسان کی عاقبت برباد ہو جائے ۔ پس تیری دعا انھی باتوں کے لیے ہو جو تیرے لیے سودمند ہیں ' اور جو نقصان دہ ہیں وہ دور رہیں ۔ سن لے مال و دولت بڑی چیز نہیں ۔ مال تیرے لیے باقی رہے گا نہ تو مال کے لیے

فرزند ' تو آخرت کے لیے پیدا ہوا ہے نہ کہ دنیا کے لیے ' فنا کے لیے بنا ہے نہ کہ بقا کے لیے ۔ تو ایک ایسے مقام میں ہے جو ڈانوڈول ہے اور تیاری کرنے کی جگہ ۔ یہ محض آخرت کا راستہ ہے ۔ موت تیرے تعاقب میں لگی ہوئی ہے ' تو لاکھ بھاگے ' بچ نہیں سکتا ' ایک نہ ایک دن تجھے شکار ہو جانا ہے ۔ لہٰذا ہوشیار رہ ' کہ موت ایسی حالت میں نہ آ جائے کہ تو ابھی توبہ اور انابت کی فکر میں ہی ہو اور وہ درمیان میں حائل ہو جائے ۔ ایسا ہوا تو بس تو نے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا ۔

فرزند ' موت ' اپنے عمل پر ' اور موت کے بعد کی حالت پر ' ہمیشہ تیرا دھیان رہے ' تاکہ جب اس کا پیام پہنچے تو تیرا سب کچھ پہلے سے ٹھیک ٹھاک ہو ' اور تجھے اچانک اس پیام کو نہ سننا پڑے ۔

فرزند ' دنیا میں دنیاداروں کی محویت ' اور اس کی طلب میں ان کی مسابقت تجھے فریب نہ دے ۔

کیونکہ خدا نے دنیا کی حقیقت کھول دی ہے۔ خدا ہی نے نہیں خود دنیا نے بھی اپنے فانی ہونے کا اعلان کر دیا ہے' اپنی برائیوں پر سے نقاب اٹھا دیا ہے۔ دنیا دار تو بھونکنے والے کتے اور پھاڑ کھانے والے درندے ہیں جو ایک دوسرے پر غراتے ہیں' طاقت ور کمزور کو کھاتے ہیں' بڑے چھوٹوں کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ ان میں کچھ تو بندھے ہوئے اونٹ ہیں جو نقصان کرنے سے عاجز ہیں' اور کچھ چھٹے ہوئے اونٹ ہیں جو ہر طرح کا نقصان کرتے پھرتے ہیں۔ ان کی عقل گم ہے۔ انجان رستوں پر پڑے ہوئے ہیں' مصائب کی ناہموار وادیوں میں بلائیں اور آفتیں چرنے کے لیے چھوڑ دیے گئے ہیں' نہ کوئی ان کا گلہ بان ہے نہ رکھوالا۔

دنیا انھیں تاریک گزر گاہوں میں لے گئی ہے' روشنی کے مینار ان کی آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں۔ وہ دنیا کی بھول بھلیوں میں پھنس گئے ہیں' اس کی لذتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ انھوں نے اسی کو اپنا رب بنالیا ہے۔ وہ ان کے ساتھ کھیل رہی ہے اور وہ اس کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ افسوس' انھوں نے آنے والی زندگی بالکل فراموش کر دی ہے! عنقریب تاریکی چھٹ جائے گی اور قافلہ منزل پر پہنچ جائے گا۔ لیل و نہار کے مرکب پر جو سوار ہے وہ تو برابر رواں دواں ہی ہے' چاہے کسی جگہ کھڑا ہی کیوں نہ ہو' مسافر ہے گو بآرام کہیں مقیم ہی کیوں نہ ہو۔

فرزند' تو اپنی سب امیدوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ زندگی سے زیادہ جی نہیں سکتا۔ تو بھی اسی راہ پر چلا جا رہا ہے جس پر تجھ سے پہلے لوگ جا چکے ہیں۔ لہٰذا اپنی طلب میں اعتدال مدنظر رکھ' کمائی میں سلامت روی سے تجاوز نہ کر۔ یاد رکھ کوئی طلب ایسی بھی ہوتی ہے جو حرماں نصیبی کی طرف لے جاتی ہے۔ نہ ہر مانگنے والے کو ملتا ہے نہ ہر خوددار محروم رہتا ہے۔ ہر قسم کی ذلت سے اپنے آپ کو بچا' چاہے وہ کیسی ہی مرغوبات کی طرف لے جانے والی ہو۔ کیونکہ عزت کا معاوضہ تجھے کبھی مل ہی نہیں سکتا۔ دوسروں کا غلام نہ بن' کیونکہ خدا نے تجھے آزاد پیدا کیا ہے۔ وہ بھلائی بھلائی نہیں جو برائی سے آئے' وہ دولت دولت نہیں جو ذلت کی راہ سے حاصل ہو۔

خبردار' خبردار! تجھے حرص و ہوس ہلاکت کے گھاٹ پر نہ لے جائے جہاں تک ممکن ہو اپنے اور خدا کے درمیان کسی کے احسان کو نہ آنے دے۔ کیونکہ تجھے تیرا حصہ بہرحال مل کر رہے گا۔ خدا کا دیا ہوا تھوڑا' مخلوق کے دیے ہوئے بہت سے زیادہ ہے' اور شریفانہ بھی۔ اگرچہ مخلوق کے پاس بھی جو کچھ ہے خدا ہی کا دیا ہوا ہے۔

خاموشی کی وجہ سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے اس کا تدارک آسان ہے۔ مگر گفتگو سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے اس کا تدارک مشکل ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ مشک کا منہ باندھ کر ہی پانی روکا جاتا ہے؟ اپنا مال نہ خرچ کرنا دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے کہیں اچھا ہے' مایوسی کی تلخی سوال کرنے سے

بہتر ہے' اور آبرو کے ساتھ محنت و مزدوری بدکاری کی دولت سے بہتر ہے۔

آدمی اپنا راز خود ہی خوب چھپا سکتا ہے۔ کبھی آدمی اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مارتا ہے جو زیادہ بولتا ہے زیادہ غلطی کرتا ہے۔

نیکوں کی صحبت اختیار کرو' نیک ہو جاؤ گے۔ بدوں کی صحبت سے پرہیز کرو گے' بدی سے دور رہو گے۔ حرام کھانا' بدترین کھانا ہے۔ کمزور پر ظلم کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔

جب نرمی سختی بن جائے تو سختی نرمی بن جاتی ہے۔ کبھی دوا بیماری ہو جاتی ہے اور بیماری دوا۔ کبھی بدخواہ خیرخواہی کر جاتا ہے اور خیرخواہ بدخواہی۔ موہوم امیدوں پر تکیہ نہ کرو' کیونکہ یہ بے عقلوں کا سرمایہ ہے۔ تجربے یاد رکھنے کا نام عقل ہے۔ بہترین تجربہ وہ ہے جو نصیحت آموز ہو۔ موقعے سے فائدہ اٹھاؤ اس سے پہلے کہ وہ تمہارے خلاف ہو جائے۔ ہر کوشش کرنے والا کامیاب نہیں ہوتا۔ ہر جانے والا واپس نہیں آتا۔ مال کا ضائع کرنا اور عاقبت کا بگاڑنا فساد عظیم ہے۔ ہر چیز کا ایک انجام ہے جو کچھ تیرے نوشتہ تقدیر میں ہے جلد یا بدیر سامنے آجائے گا۔ تاجر ایک لحاظ سے قمار باز ہوتا ہے۔ کبھی قلت میں کثرت سے زیادہ برکت ہوتی ہے۔

توہین کرنے والے مددگار اور سوء ظن رکھنے والے دوست میں ذرا بھلائی نہیں۔ جب تک زمانہ ساتھ دے زمانے کا ساتھ دو۔ حرص تجھے اندھا نہ کر دے' اور عداوت تجھے بے عقل نہ بنانے پائے۔

دوست دوستی توڑے تو تم اسے جوڑ دو۔ وہ دوری اختیار کرے تو تم نزدیک ہو جاؤ۔ وہ سختی کرے تو تم نرمی کرو۔ وہ غلطی کرے تو تم اس کے لیے عذر تلاش کرو۔ دوست کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو گویا تم غلام ہو اور وہ آقا ہے۔ لیکن' خبردار' وہ برتاؤ بے محل نہ ہو۔ نااہل کے ساتھ نااہل نہ بنو۔ دوست کے دشمن کو دوست نہ بناؤ' ورنہ دوست بھی دشمن ہو جائے گا۔ دوست کو بے لاگ نصیحت کرو' بھلی لگے یا بری لگے۔ غصہ پی جایا کرو' میں نے غصہ کے جام سے زیادہ میٹھا کوئی جام نہیں دیکھا: جو تم سے سختی کرے' تم اس سے نرمی کرو' خود بخود نرم پڑ جائے گا۔ دوستی کاٹنا ضروری ہی ہو تو بھی کچھ نہ کچھ لگاؤ باقی رکھو' تاکہ جب چاہو دوستی کو جوڑ سکو۔

جو تم سے حسن ظن رکھے اس کے حسن ظن کو جھوٹا نہ ہونے دو۔ دوست کے حقوق اس گھمنڈ میں تلف نہ کرو کہ دوست ہے۔ کیونکہ جس کے حقوق تلف کر دیے جاتے ہیں وہ دوست نہیں رہتا۔

ایسے نہ ہو جاؤ کہ تمہارا خاندان ہی تمہارے ہاتھوں سب سے زیادہ بدبخت (اور تیری نیکی سے محروم) بن جائے۔ جو کوئی بے پرواہی ظاہر کرے اس کی طرف نہ جھکو۔ دوست دوستی توڑنے میں اور تم دوستی جوڑنے میں برابر نہ ہو۔ تمہارا پلہ ہمیشہ بھاری رہے گا۔ نیکی سے زیادہ بدی میں تیز نہ ہو۔

ظالم کے ظلم سے تنگ دل نہ ہو' کیونکہ وہ خود اپنا نقصان اور تمہارا نفع کر رہا ہے۔ جو تمہیں خوش

کرے اس کا صلہ یہ نہیں ہے کہ تم اسے رنج پہنچاؤ۔

فرزند' رزق دو قسم کا ہوتا ہے: ایک وہ جس کی تو جستجو کرتا ہے' دوسرا وہ جو تیری جستجو کرتا ہے۔ پس اگر تو جستجو چھوڑ دے تو رزق خود ہی تیرے پاس آجائے گا۔ دنیا میں تیرا حصہ بس اتنا ہے جتنے سے تو اپنی عاقبت درست کر سکے۔ اگر تو اس چیز پر رنج کرتا ہے جو تیرے ہاتھ سے نکل گئی ہے تو ہر اس چیز پر رنج کر جو تیرے ہاتھ میں نہیں آئی ہے۔ آیندہ کو گذشتہ سے غیر سمجھو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جن پر' نصیحت نہیں' ملامت اثر کرتی ہے' دانا آدمی معمولی تادیب سے مان جاتا ہے' مگر چوپایہ مار سے باز آتا ہے۔

خواہشوں اور دل کے وسوسوں کو صبر و یقین کی عزیمتوں سے زائل کر دو۔ جو کوئی راہ اعتدال سے تجاوز کرتا ہے بدراہ ہو جاتا ہے۔ دوست' رشتہ دار کی طرح ہے۔ سچا دوست وہی ہے جو پیٹھ پیچھے حق دوستی ادا کرے۔ نفس کی خواہشوں اور بدبختیوں میں ساجھا ہے۔

کتنے اپنے ہیں جو غیروں سے زیادہ غیر ہیں اور کتنے غیر ہیں جو اپنوں سے زیادہ عزیز ہیں۔

پردیسی وہ ہے جس کا کوئی دوست نہیں۔

جس نے راہ حق چھوڑ دی اس کا راستہ تنگ ہے۔ جو اپنی حیثیت پر رہتا ہے اس کی عزت باقی رہتی ہے۔ سب سے زیادہ مضبوط تعلق وہ ہے جو آدمی اور خدا کے مابین ہے۔ جو کوئی تیرا پردہ نہیں کرتا وہ تیرا دشمن ہے۔ جب امید میں موت ہو تو ناامیدی زندگی بن جاتی ہے۔ ہر عیب ظاہر ہو جاتا ہے نہ ہر موقعہ سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ کبھی آنکھوں والا ٹھوکر کھا جاتا ہے اور اندھا سیدھی راہ چلا جاتا ہے۔ بدی کو دور رکھو کیونکہ جب چاہو گے لوٹ آئے گی۔ احمق سے دوستی کاٹنا عقلمند سے دوستی جوڑنے کے برابر ہے۔

جو دنیا پر بھروسہ کرتا ہے' دنیا اس سے بے وفائی کر جاتی ہے' اور جو دنیا کو بڑھاتا ہے دنیا اسے گرا دیتی ہے۔ ہر تیر نشانے پر نہیں بیٹھتا۔ جب حاکم بدلتا ہے تو زمانہ بھی بدل جاتا ہے۔ سفر سے پہلے سفر کے ساتھیوں کو دیکھ لو۔ مقیم ہونے سے پہلے پڑوسیوں کی جانچ کر لو۔

خبردار' تمھاری گفتگو میں ہنسانے والی کوئی بات نہ ہو' اگرچہ کسی دوسرے کا مقولہ ہی کیوں نہ ہو۔

اپنے کنبے کی عزت کرو' کیونکہ وہ تمھارا بازو ہے جس سے اڑتے' ہو بنیاد ہے جس پر ٹھہرتے ہو' ہاتھ ہے جس سے لڑتے ہو۔

فرزند' میں تیری دنیا و عقبیٰ خدا کے سپرد کرتا ہوں اور دونوں جہان میں اس ذات برتر سے تیرے لیے فلاح و بہبود کی دعا کرتا ہوں۔

دعوت اور انسانی نفسیات

حافظ محمد سجاد

کسی دعوت کی کامیابی کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ دعوت دینے والے کا کردار اور دعوت کا انداز اور طریقہ کار۔ دعوت بجائے خود کتنی ہی پرکشش کیوں نہ ہو، کسی معاشرہ میں اسی وقت جڑ پکڑتی ہے جب اسے حکیمانہ انداز میں پیش کیا جائے، مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر اور موقع ومحل کو دیکھ کر دانائی کے ساتھ بات کی جائے، فرق مراتب اور مخاطب کی نفسیات کو مدنظر رکھا جائے، مخاطب کے جذبات کو ابھارا جائے۔ گمراہیوں اور برائیوں کا محض عقلی حیثیت سے ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسانی فطرت میں ان کے لیے جو نفرت پائی جاتی ہے اسے بھی ابھارا جائے۔ اعمال صالحہ کی خوبی ہی ثابت نہ کی جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے۔ ایسے انداز اور طریقہ کار اختیار کیے جائیں جن سے طبائع مانوس ہوں، اور جن سے تحریک پیدا ہو۔ دعوت میں خیر خواہی اور تالیف قلب کے ساتھ ایسی تڑپ اور دلسوزی ہو کہ مخاطب محسوس کرے کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے تڑپ ہے اور وہ اس کی بھلائی چاہتا ہے۔

داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے اصول دعوت بھی معلوم ہوئے اور آپ کے اسوہ حسنہ سے دعوت کے عملی پہلو سامنے آئے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (النحل ۱۶: ۱۲۵)

"اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو"۔

دعوت کی جڑیں اس وقت تک مضبوط نہیں ہوتیں اور اس کی شاخیں پھیل کر پھل نہیں دیتیں جب تک اس کی اساس پختہ دلیل پر قائم نہ ہو اور داعیِ حق اپنی دعوت کو عام کرنے کے لیے دانش مندانہ اور خوبصورت ادبی اسلوب نہ اپنالے۔ رسول اللہؐ کی دعوت میں ایسے اوصاف تھے جو عقل کو قبولیت پر آمادہ کر دیتے۔ آپؐ پیام حق کی اشاعت کے لیے ایسے طریقے اپناتے تھے جو یقینی کامیابی کے ضامن ہوتے، موقع کے مطابق گفتگو فرماتے اور مطلب کو اس کی شایانِ شان پیرایہ دیتے، مختلف قبائل

کے افراد سے ان کی ذہنی سطح سے ہم آہنگ ہو کر کلام کرتے۔

کتب سیر و احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دعوت و تبلیغ میں مخاطب کی ذہنی و جسمانی طاقت ' ان کی فطری صلاحیت ' اور ان کے مزاج و طبیعت کو مدنظر رکھتے۔ دعوت کے حکیمانہ اسلوب آپ کو ودیعت کیے گئے تھے ' مثلاً

آپ مشاہدے کے لیے کسی چیز کی ظاہری ہیئت کی طرف اشارہ کرتے یا اس کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے اور پھر اس سے اپنی بات مستنبط کرتے تھے۔ ایک بار آپ کا بازار سے گزر ہوا۔ بازار کی اپنی ایک دنیا ہے 'کوئی خریداری کرتا ہے اور کوئی بیچتا ہے۔ ایک اپنے سامان کا بھاؤ اور قیمت بتاتا ہے تو دوسرا اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ایک شخص نفع کمانے کی دھن میں رہتا ہے۔ تو دوسرا سستا سامان خریدنے کی فکر میں رہتا ہے۔ رسول اللہ نے لوگوں کو اس ماحول میں اس دنیا کی قدر و قیمت بتائی جس پر لوگ ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ ایک کن کٹی بکری کے بچہ کی لاش پڑی تھی۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے پوچھا: تم میں سے کون اسے ایک درہم میں خریدنے کے لیے تیار ہے۔ صحابہ نے کہا کہ اسے تو کسی قیمت پر بھی لینے کا سوال نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم تمھاری نظروں میں یہ بچہ جتنا بے وقعت ہے ' دنیا اللہ کی نظروں میں اس سے زیادہ بے وقعت ہے۔ (الترغیب)۔

اس طرح آپ نے حکمت سے دنیا کی قدر و قیمت واضح فرما دی اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بے نیازی کی عظیم صفت کو عمدہ طریقے سے ذہن نشین کرا دیا۔ اس طرح محسوس طریقے سے دعوت 'قلب و ذہن پر اثر انداز ہوتی ہے اور مخاطب فوراً قبول کرتا ہے۔

حضور اکرم کا ایک نفسیاتی اور دعوتی اسلوب یہ بھی تھا کہ آپ مختلف اوقات میں ایک ہی سوال کے مختلف جوابات دیتے ' مثلاً ایک شخص آتا ہے وہ سب سے افضل اعمال کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ آپ اس کو جہاد کا عمل بتاتے ہیں۔ دوسرے کو صلہ رحمی کا کہتے ہیں۔ بظاہر ان اقوال میں تضاد ہے مگر حقیقت میں یہ جوابات مخاطب کے ذہن اور نفسیات کو سامنے رکھ کر دیے گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ کہ ایک نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا 'یارسول اللہ کیا میں روزے کی حالت میں بوسہ لے سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں ' پھر ایک بوڑھا حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ کیا میں روزے کی حالت میں بوسہ لے سکتا ہوں؟ فرمایا ' ہاں! مجلس میں موجود لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تو رسول اللہ نے فرمایا مجھے تمھارا ایک دوسرے کی جانب سے دیکھنا معلوم ہے۔ بوڑھا آدمی اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکتا ہے (احمد)۔

آپ کی دعوت کی ایک اہم بات اور اصول سننے والے کی استعداد تھا۔ آپ بدوی اور شہری '

پڑھے لکھے اور ان پڑھ ' عقل و تجربہ کے مختلف مدارج والے انسانوں کو مختلف طریقوں سے دعوت دیتے ۔ امام باہلیؓ سے روایت ہے کہ ایک قریشی نوجوان آنحضورؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا: حضورؐ مجھے زنا کی اجازت دیں ۔ تمام لوگ اس پر جھپٹے ' اسے سخت سست کہا اور اسے بات کرنے سے روکا ۔ آپؐ نے اسے قریب کیا اور جب وہ آپؐ کے قریب ہوا تو آپؐ نے فرمایا: کیا تم اپنی والدہ کے لیے اسے پسند کرو گے؟ کہنے لگا اللہ مجھے آپ پر قربان کرے ' خدا کی قسم ہرگز نہیں ۔ فرمایا: کہ لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے اسے ناپسند کرتے ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا: اسے اپنی بیٹی کے لیے پسند کرو گے؟ کہنے لگا ہرگز نہیں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے اسے ناپسند کرتے ہیں ۔ پھر آپؐ نے اس کی بہن ' پھوپھی ' خالہ کا ذکر کیا اور ہر مرتبہ وہ مذکورہ جواب دہراتا ۔ حضورؐ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا اے اللہ اس کے گناہ کو بخش دے ' اس کے دل کو صاف کر دے اور اس کے قوی جنسیہ کو محفوظ کر دے ۔ راوی کہتے ہیں کہ اس نوجوان نے اس کے بعد کبھی کسی کی طرف التفات نہ کیا (مسند احمد) ۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ مخاطب کی نفسیات اور ذہنی مرتبہ کو کتنی اہمیت دیتے تھے ۔ بعض اوقات آپؐ بدوی زبان میں گفتگو فرماتے ۔ مخاطب اپنی زبان سن کر خوش ہو جاتا اور بات کو بہتر طریقہ سے سمجھ سکتا ۔ خطیب بغدادی نے اپنی سند سے عاصم الاشعریؓ کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے رسول اکرمؐ کو اشعریوں کے مخصوص لہجے میں بات کرتے سنا ۔ وہ "لام" کو "میم" سے تبدیل کر دیتے ہیں ۔ آپؐ نے اپنے لہجے کو چھوڑ کر مخاطب کی لغت میں بات کی ۔ اس سے مخاطب اپنائیت محسوس کرتا ہے اور اس پر خوشگوار اثر پڑتا ہے ۔

آپؐ شہری لوگوں سے ان کے انداز و معیار کے مطابق گفتگو فرماتے اور بدوی سے اس کی ذہنیت کے مطابق بات کرتے ۔ اس کی بہترین مثال حضرت ابوھریرہؓ کی وہ روایت ہے جس میں بنی فزارہ کے ایک بدوی شخص کے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر ہے ۔ اس نے کہا کہ میرے ہاں ایک سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے ۔ میں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے کیونکہ ہم میاں بیوی میں کوئی بھی سیاہ رنگ کا نہیں ہے ۔ آنحضرتؐ نے اس کی سمجھ بوجھ اور پیشہ کے مطابق جواب مرحمت فرمایا ۔ اس سے پوچھا: کیا تمھارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں ۔ آپؐ نے پھر دریافت فرمایا: وہ کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا سرخ رنگ کے ۔ آپؐ نے اس پر سوال کیا: ان میں کوئی "اورق" یعنی خاکستری رنگ کا یا کم سیاہ رنگ کا کوئی اونٹ بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں ہے ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اب تم ہی بتاؤ کہ سرخ رنگ کے اونٹوں میں یہ سیاہی کیسے آگئی؟ اس نے جواب میں کہا ممکن ہے اس کے نسب میں کوئی اونٹ خاکستری یا سیاہ رنگ کا ہو اور یہ اس کی جھلک ہو ۔ جب بات یہاں تک پہنچ گئی تو آپؐ نے یہ کہہ کر اس کے شبہ کو دور کر دیا کہ یہاں بھی یہ ہو سکتا ہے کہ یہ

نسب کا کرشمہ ہو اور اس میں تمہاری بیوی کا کوئی قصور نہ ہو (مسلم)۔

انسان کے جذبات و احساسات کو تعمیری رخ دینے کا نام تربیت ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخاطبین کے مزاج اور نفسیات کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ان کے جذبات کا بھی خیال رکھتے تھے۔ اگر جذبات میں اشتعال محسوس کرتے تو کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالتے اور نہ عملاً کوئی ایسی روش اختیار کرتے، جس سے جذبات بے قابو ہو جائیں۔ جذبات و احساسات کی رعایت کر کے انھیں صحیح اور تعمیری رخ دیتے اور جذبات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی محبت اور دین اسلام کے لیے عظمت و سربلندی کی طرف پھیر دیتے۔ ایسی ایک مثال غزوہ حنین کے موقع پر پیش آئی۔

رسول اللہؐ نے غزوۂ حنین سے واپسی میں مقام جعرانہ پر جب جنگی قیدی اور مال غنیمت تقسیم فرمایا تو سرداران قریش کو جو تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے، مال غنیمت میں وافر حصہ عطا فرمایا جس کے دعوتی و نفسیاتی مصالح تھے۔ اسے انصار نے محسوس کیا۔ بعض نوجوان آپس میں اس احساس کا اظہار کرنے لگے۔ آپؐ نے اس موقع پر انصار کو جمع کیا اور نہایت حکمت سے ان کے دلوں کو مٹھی میں لیا۔ پہلے ان پر اپنے احسانات کا تذکرہ کیا اور پھر ان کے اپنے پر۔ آپؐ نے یہ تاریخی الفاظ کہے: اے انصار کیا یہ بات آپ کو پسند نہیں ہے کہ لوگ تو اپنے خیموں میں اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور آپ اللہ کے رسولؐ کو لے کر واپس جائیں۔ بخدا اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں خود انصار کا ایک فرد ہوتا۔ لوگ کسی گھاٹی یا وادی میں چلیں تو میں اس وادی میں چلوں گا جس میں انصار چلیں گے۔ اے اللہ انصار پر، انصار کی اولاد پر، انصار کی نسل در نسل پر اپنا فضل فرما۔

یہ سن کر انصار اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور کہنے لگے ہم اپنی اس قسمت پر نازاں ہیں کہ رسول اللہؐ ہمارے حصہ میں آئے۔ جو نصیب میں آیا ہم اس پر راضی ہیں (بخاری)۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور اپنی ذات کے ساتھ ان کے تعلق کو ایک نئے انداز سے بیان فرما کر ان میں وفاداری اور دین اسلام کے لیے محبت میں مزید اضافہ کر دیا۔ آپؐ نے ان کے جذبات و احساسات کی خود ترجمانی فرمائی۔ اور استفہامیہ انداز اختیار فرمایا جس سے بات سننے والوں کے قلب و ذہن میں اترتی چلی گئی۔ اور اس کا اثر اسی وقت ظاہر ہو گیا۔ آپؐ نے ان کے دلوں میں جہاں اللہ اور اپنے لیے محبت کے جذبات ابھارے، وہاں دنیا کے مال و متاع کی حقیقت بھی واضح فرمائی کہ یہ متاع قلیل ہے جس سے ضعیف الایمان مسلمانوں کی تالیف قلب کا سامان کیا گیا۔

اس طرح آپؐ نے ایک طرف نو مسلم اہل مکہ کی نفسیات کو مدنظر رکھا تو دوسری طرف انصار کو جو دعوت اسلامی کے مددگار اور آپؐ کی محبت سے سرشار تھے، انھیں اپنی محبت اور ان کی اپنے ساتھ

وابستگی کو اس انداز سے بیان فرمایا کہ وہ اپنی قسمت پر ناز کرنے لگے۔

بعض مبادی کے وجود پذیر ہونے سے سیکھنے کا عمل آسان ہو جاتا ہے۔اور اگر یہ اصول و مبادی نہ پائے جائیں تو انسان بالکل سیکھ نہیں پاتا یا بہت مشکل اور دھیمی رفتار سے سیکھتا ہے۔عصر حاضر کے ماہرین نفسیات نے فن تعلیم و تعلم اور ابلاغی نفسیات پر مفصل تجرباتی بحثیں کی ہیں اور بہت باریک بینی سے ان مبادی کی تحدید کی ہے۔اس نقطہ نظر سے جب سیرت نبویؐ کے دعوتی پہلو کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر انسانی نفسیات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔آپؐ نے صحابہ کرامؓ کی نفسیات کے مطابق دعوت کو پیش کیا اور تربیت ، تعمیر سیرت اور شخصیت سازی نیز اسلام کی دعوت و نشر و اشاعت میں ان اصول و مبادی سے پورا فائدہ اٹھایا۔

حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے یسروا ولاتعسروا وبشروا ولاتنفروا (بخاری) "آسانیاں پیدا کرو ، لوگوں کے لیے مشکلیں کھڑی نہ کرو ، انھیں خوشخبری سناؤ۔انھیں دین سے متنفر نہ کرو"۔اس فرمان نبویؐ کا یہی مطلب ہے کہ مخاطب کے سامنے بات اس طور پر رکھی جائے کہ اس کے اندر اس کے لیے رغبت اور میلان پیدا ہو ، اسے دین سے بیزار اور متنفر نہ کیا جائے۔حضرات صحابہ کرامؓ کو آپؐ کے اس فرمان کا بڑا پاس تھا اور وہ اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔فقیہ امت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ، ہفتہ میں صرف ایک دن وعظ و نصیحت اور تذکیر فرماتے تھے۔لوگوں نے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس تذکیر کو روز کا معمول بنائیں۔آپ نے فرمایا: میں ایسا کر سکتا ہوں لیکن صرف اس لیے نہیں کرتا ہوں کہ اس سے آپ لوگ اکتا جائیں گے۔میں وقفہ ، حضور پاکؐ کے نقش قدم کی پیروی کے علاوہ کسی اور وجہ سے نہیں دیتا۔آنحضورؐ ہمیں وقفہ وقفہ سے ہی وعظ و نصیحت اور تذکیر و یاد دہانی فرمایا کرتے تھے تاکہ ہم لوگ اکتاہٹ اور بے دلی کا شکار نہ ہوں (بخاری)۔

انسانی نفسیات کی رعایت کی اس سے بہتر کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ہم اصول مبادی میں چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔جنہیں رسول اللہؐ دعوت اسلام اور صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں برتتے تھے۔

محرکات : محرکات وہ عوامل ہوتے ہیں جو کسی فرد کے اندر کسی کام کی تحریک پیدا کرتے ہیں یا اس کا شوق بڑھاتے ہیں۔دنیا میں رونما ہونے والے تمام واقعات کسی نہ کسی محرک کا نتیجہ ہوتے ہیں۔دعوت و ارشاد کے حوالے سے تربیت انسانی کے لیے جو محرکات کارگر ثابت ہوتے ہیں ان میں ترغیب و ترہیب ، انعامات ، معاوضہ ، مقابلہ و مسابقت ، حوصلہ افزائی ، توجہ و دلچسپی وغیرہ شامل ہیں۔

قرآن مجید کے تربیتی منہاج کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ترغیب و ترہیب کے ذریعے عمل کو ابھارا گیا ہے۔نیک اعمال کے لیے انعامات و اکرام کی تحریص (Incentive) دلائی گئی

ہے ۔ انسان کے ذوق جمالیات کو مد نظر رکھ کر نیکی اور بھلائی کی طرف دعوت کے لیے ایک خاص اسلوب اختیار کیا گیا ہے ۔ اور انسان کے سامنے محسوس شواہد کے ذریعے ان انعامات کی منظر کشی کی گئی ہے تاکہ دعوت قبول کرے اور اس کا اجر پائے ۔ مثلاً نیکی اور بھلائی اختیار کرنے والوں، اور اس سلسلے میں جو تکالیف پیش آئیں ان پر صبر کرنے والوں کے لیے جس اجر کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا قرآن میں مختلف مقامات پر متعدد آیات میں نہایت دلکش انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے ۔ یہ انسان کا فطری داعیہ ہے کہ وہ کسی کام کو اسی وقت بہترین انداز سے کرتا ہے جب اس کو اس کے بدلے فوائد و ثمرات کی یقین دہانی کرائی جائے ۔ قرآن مجید نے اسی فطری داعیہ کے پیش نظر ان اشیا کا ذکر کیا ہے جس کی ہر انسان خواہش رکھتا ہے ۔

رسول اللہؐ نے بھی دعوت حق پیش کرتے ہوئے، ترغیب و ترہیب سے محرک عمل کو ابھارا۔ ابتدائی دور میں رسول اللہؐ کی توجہ اس طرف تھی کہ عقیدہ توحید کی دعوت دی جائے ۔ شرک سے نکالا جائے ۔ آپؐ آخرت میں ثوابِ عظیم اور جنت کا وعدہ کر کے لوگوں کو ایمان اور توحید کی راہ اختیار کرنے اور شرک سے دور رہنے کی ترغیب دیتے ۔ یہ ترغیب فقط آخرت کے حوالے سے نہیں تھی بلکہ آپؐ یہ بھی فرماتے کہ دنیا میں تم فلاح پاؤ گے ۔ اور تمہیں اس کے عوض عزت و شرف اور بزرگی عطا ہو گی ۔ مثلاً ابن سعد، نے الطبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ رسول اللہؐ حج کے موسم میں دعوت و تبلیغ کے لیے ہر اس قبیلہ کے پاس جاتے جو خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے آتا، ان کو دعوت پیش کرتے اور فرماتے، لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو اور فلاح پاؤ ۔ عرب تمہارے زیر نگیں ہو گا اور عجم پر تمہاری حکمرانی ہو گی ۔ اسی طرح بیعتِ عقبہ اولیٰ کے اصحاب سے آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے لیے جنت ہے (بخاری) ۔ ایک مرتبہ آپؐ تشریف لے جا رہے تھے کہ آپؐ نے دیکھا کہ آلِ یاسرؓ کو قریش ایذا دے رہے ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا "اے آل یاسرؓ صبر کرو، تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے (ابن ہشام) ۔

کبھی آپؐ قصے کہانیوں سے جذبہ عمل کو ابھارتے کیونکہ قصے اور کہانیاں انسان کو متوجہ کرتی ہیں، سننے کی رغبت پیدا کرتی ہیں اور واقعات کا تسلسل معلوم کرنے کا شوق پیدا کرتی ہیں ۔ اس لیے دعوت و ارشاد میں قصوں اور واقعات کا استعمال انتہائی موثر ہے ۔ قرآن مجید نے تربیت کرنے، نصیحت کرنے، عبرت دلانے اور حکمت سکھانے میں قصوں سے مدد لی ہے ۔ قرآن مجید نے انتہائی اختصار کے ساتھ قصوں کی تربیتی تاثیر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے ۔ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (یوسف ۱۲: ۱۱۱) ۔ "بے شک ان کے قصوں میں اہل فہم کے لیے بڑی عبرت ہے" ۔

معاوضہ: انسانی کاموں کو قوت پہنچانے اور ان میں مداومت پیدا کرنے میں معاوضہ ادا کرنے

کی بڑی اہمیت ہے۔ جو عمل مشکل حل کرنے یا مقصد میں کامیاب ہونے کے کام نہ آئے، اس سے انسان بہت جلد دست کش ہو جاتا ہے، اور جو عمل مشکل حل کرنے اور حصول مقصد میں کامیاب کرے، انسان اس کی پابندی کرنا چاہتا ہے۔ تجرباتی تحقیقات نے اعمال پختہ کرنے اور تعلیم و تعلم کو استحکام بخشنے میں معاوضہ کی اہمیت ثابت کی ہے۔

رسول اللہؐ نے مزدور کو معاوضہ اداکرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقه (ابن ماجه) ۔ مزدور کو اس کی مزدوری، اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔ مزدور کو کام کرنے کے فوراً بعد مزدوری ملنے سے یہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنے کام میں زیادہ محنت کرے اور جب دوبارہ اسے کام کے لیے بلایا جائے تو کام میں اپنی پوری توجہ اور توانائی صرف کر دے اور اپنے فریضہ کو اچھی طرح اداکرے۔ جدید تجرباتی تحقیقات نے یہ بات واضح کی ہے کہ تعلیم و تعلم کو قوت پہنچانے میں معاوضہ اداکرنا زیادہ موثر ہے جبکہ اس کی ادائیگی بروقت کر دی جائے۔ رسول اللہؐ نے اجرت کی فوری ادائیگی کی ہدایت کی ہے۔ یہ انسان کے دل میں زیادہ گہرا اثر کرتی ہے اور اسے یہ حوصلہ ہوتا ہے کہ اپنی ڈیوٹی انجام دینے میں پوری کوشش کرے اور اس میں کوتاہی نہ کرے۔

یہ ضروری نہیں کہ معاوضہ مادی شکل ہی میں ہو، یہ معنوی بھی ہو سکتا ہے، تعریف، اظہار پسندیدگی یاہمت و حوصلہ افزائی کی شکل میں۔ کسی سربراہ کے اپنے ماتحت رفیقوں کی تعریف کرنے سے وہ زیادہ سرگرم ہو جاتے ہیں اور اپنا کام زیادہ اچھے انداز میں کرنے لگتے ہیں۔ استاد کا شاگرد کی تعریف کرنا، تعلیم میں اس کے جلد ترقی میں معاون ہوتا ہے۔

انسان کو اگر مستقبل میں کسی بڑے معاوضہ کی امید ہوتی ہے تو وہ اپنے عظیم مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے طویل زمانہ کی منصوبہ بندی کر کے صبر کے ساتھ پیہم جدوجہد جاری رکھتا ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کے طرز زندگی کو سنوارنے اور تقویٰ اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرنے میں آخرت میں ثواب کی ترغیب اور عذاب سے ترہیب کا بڑا گہرا اثر ہے۔

امریکی ماہر نفسیات اسکنر (Skinner) نے جو نئی تحقیقات کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کے ذمہ جو کام لازم ہوتا ہے اسے کرنے کے بعد مختلف غیر معین اوقات میں دیا جانے والا معاوضہ اس کے قوت عمل کو تیز کرتا ہے اور اس کی سرگرمی کا مدہم پڑنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ تجرباتی مثالوں سے اس نتیجہ تک پہنچا ہے کہ کاموں کی انجام دہی پر جو معاوضہ یا انعام دیا جاتا ہے، اگر اس کی ادائیگی مختلف غیر متعین اور غیر معلوم اوقات میں ان کاموں کی ادائیگی کے دوران کی جائے تو اپنے فرائض کی ادائیگی اور سرگرمیوں میں اس کا اہتمام بڑھ جائے گا۔ (علم النفس، ڈاکٹر عثمان علی،

ترجمہ فہیم اختر ندوی)۔

آپؐ نے انعامات اور معاوضہ کا ذکر ہی نہیں فرمایا بلکہ آپؐ انعامات و ہدیے اور معاوضے عطا بھی فرمایا کرتے تھے۔مدنی دور میں جب دعوت اسلام خوب پھیل گئی اور تمام عرب سے مختلف قبائل وفود کی شکل میں قبول اسلام اور ہدایت و رہنمائی کے لیے آتے تو آپؐ ان کو ترغیب آخرت کے ساتھ انعام و اکرام سے بھی نوازتے تھے۔ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں ستر وفود کا ذکر کیا ہے۔ ان سب کو آپ نے ہدیوں اور انعامات سے نوازا۔یہاں بھی آپؐ نفسیات انسانی کا لحاظ فرماتے تھے جو وفد کا سردار یا قبیلے کا ذمہ دار ہوتا' اس کو زیادہ عطا فرماتے تا کہ اپنے قبیلے میں جاکر دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے۔جب عبد القیس کا وفد جن کی تعداد بیس کے قریب تھی ' عبداللہ بن عوف الاشج کی قیادت میں آیا اور آپؐ سے عرض کیا گیا کہ یہ عبد القیس کا وفد ہے۔آپؐ نے فرمایا ان کو مرحبا ہے۔عبد القیس بھی کیسی اچھی قوم ہے۔ان لوگوں نے آپؐ کو سلام کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم میں عبد الاشج کون ہیں۔عبد اللہ نے کہا یا رسول اللہؐ میں ہوں۔وہ کریہہ منظر (بدشکل) آدمی تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ انسان کی کھال کی مشک نہیں بنائی جاتی۔رسول اللہؐ نے فرمایا کہ (اے عبد اللہ) تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ پسند کرتا ہے۔عبد اللہ نے کہا کہ وہ کون سی۔آپؐ نے فرمایا کہ حلم اور وقار۔انھوں نے عرض کیا کہ یہ چیز پیدا ہوگئی ہے یا میری خلقت اسی پر ہوئی ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ تمھاری خلقت اسی پر ہوئی ہے۔آپؐ نے ان سب کو انعامات کا حکم دیا۔عبد اللہ الاشج کو سب سے زیادہ دلایا۔انھیں ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی (ابن سعد)۔

اس وفد سے آپؐ کی ملاقات کی روداد سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ انسانی نفسیات کا کس قدر لحاظ فرماتے: (۱) وفد کی آمد پر خوش آمدید کہا' (۲) وفد اور اس کے رئیس کی توصیف فرمائی' (۳) رئیس وفد عبد اللہ بن عوف الاشج کی شکل و صورت اچھی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے حلم اور وقار کا ان کے سامنے ذکر کیا' (۴) وفد کے رئیس کو سب سے زیادہ دلوایا۔

تنبیہ و تادیب: اصول دعوت میں حکمت اولیں شرط ہے جس کو مدنظر رکھنا داعی اور مصلح کے لیے نہایت ضروری ہے تاکہ اس کا کام لوگوں کی مخالفتوں اور بدگمانیوں سے محفوظ رہے اور اس کے خلاف نفرت و عداوت کی آگ نہ بھڑک اٹھے۔اگر کسی خاص شخص یا گروہ کے بعض افراد کے اندر کوئی مخصوص خامی پائی جائے جس کی نشاندہی کر کے براہ راست ان سے اصلاح کا مطالبہ کیا جائے تو اس کا الٹا اثر ہو سکتا ہے اور جن کی اصلاح مقصود ہے ان کے اندر خواہ مخواہ کی ضد' مخالفت اور عناد پیدا ہو سکتا ہے۔وہ اپنی اصلاح پر توجہ نہیں دیں گے۔حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ توجہ اس طرح دلائی جائے کہ

معلوم نہ ہو کہ کسی مخصوص و متعین شخص کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

رسول اکرمؐ کا انداز یہی تھا کہ اگر کسی شخص کی غلطی کی اصلاح مقصود ہوتی تو آپؐ براہ راست اسے مخاطب کر کے اس کی جانب متوجہ نہیں کرتے تھے کیونکہ اس سے اس کے اندر ضد اور بیزاری پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر آپؐ عمومی توجہ اس طرح دلاتے تھے کہ وہ شخص بھی محسوس کر لیتا تھا۔ یہاں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

نماز میں خشوع و خضوع کا اظہار جسمانی حرکات سے بھی ہونا چاہیے۔ کچھ لوگ نماز میں آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیا کرتے تھے، آپؐ نے ان کی اصلاح کی ضرورت محسوس کی۔ مگر انھیں اس سے باز رہنے کی ہدایت ایسے عام انداز میں کی کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ محض انھی کو پیش نظر رکھ کر بات کی گئی ہے، فرمایا: مابال اقوام یدفعون ابصارھم الی السماء فی صلوتھم (بخاری) "یہ کیسے لوگ ہیں کہ نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کرتے ہیں"۔

تشدد اور غلو پسند لوگ شریعت کی دی ہوئی رخصتوں سے فائدہ اٹھانا پسند نہیں کرتے۔ اور اپنے اوپر ایسی قیود اور بندشیں عائد کر لیتے ہیں جو خدا اور رسولؐ کی جانب سے ان پر عائد نہیں کی گئی ہیں۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپؐ جن رخصتوں پر عمل پیرا تھے، بعض لوگوں کو انھیں اختیار کرنے میں تکلف ہوتا تھا۔ جب آپؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے لوگوں کو اس طرح تنبیہہ فرمائی: "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس چیز سے بھی احتراز کرتے ہیں جس کو میں کرتا ہوں۔ خدا کی قسم مجھے اللہ کے بارے میں ان سے زیادہ واقفیت ہے اور میں ان سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں" (صحیح بخاری)۔

کسی تعین و صراحت کے بغیر تلقین و ارشاد کا یہی عام انداز اور موثر بلیغ اسلوب ان حدیثوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جن میں "احدکم" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ گویا اس طرح کی حدیثوں میں کسی ایک شخص کی غلطی پر تنبیہہ مقصود ہوتی ہے لیکن خطاب کا رخ عام لوگوں کی طرف کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کی زد براہ راست کسی ایک شخص پر نہ پڑے بلکہ اس کے عموم کی وجہ سے ہر شخص کو تنبیہہ ہو جائے اور اس شخص کو بھی برا نہ لگے جو واقعی اس فعل کا مرتکب ہو اور وہ اپنی اصلاح کر لے۔

انسانی نفسیات: تعلیم و تعلم اور ابلاغی و سماجی نفسیات کے نظریات و تصورات کا مطالعہ تدریس، ابلاغ اور دعوت سے وابستہ افراد کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ عصر حاضر میں انسانیت پسند ماہرین نفسیات نے اپنے نظریات سے جدید نفسیات میں ایک نئی طرح ڈالی ہے۔ ان ماہرین نے بنیادی طور پر انسان کی فطرت کو کلی انداز میں دیکھا ہے اور انسانی جذبات و احساسات اور انسانی عنصر (human factor) کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک موثر ابلاغ اور تعلم کی خوبی یہ ہے کہ وہ انسانی

جذبات و احساسات سے ہم آہنگ ہو' اور داعی عملی اعتبار سے خود بھی اس کام پر عمل پیرا ہو جس کی وہ دعوت دے رہا ہے اور جس کا ابلاغ کر رہا ہے۔ ایک انسانیت پسند ماہر نفسیات ریسٹ (Rest) تعمیر سیرت کے عمل کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ عمل چار مرحلوں پر مشتمل ہے: (۱) اخلاقی حس (moral sensitivity) پیدا کرنا تاکہ صورت حال پر توجہ دے کر کچھ نہ کچھ کرنے کے لیے مائل ہوں۔ (۲) اخلاقی فیصلہ (moral judgement) کروانا تاکہ اس مخصوص صورت حال میں کئی ممکنہ ردعمل میں سے اخلاقی طور پر مثبت اور مستحسن ردعمل کا انتخاب کریں۔ (۳) اخلاقی تحریک (moral motivation) تاکہ اپنے انتخاب پر عمل پیرا ہونے کی خواہش ہو۔ (۴) اخلاقی کردار (moral character) تاکہ نہایت استقلال اور ثابت قدمی سے ان فیصلوں پر عمل کرتے رہیں۔

کردار سازی کے پہلے دو مرحلوں کو افراد میں ابھارنے کے لیے انھیں اخلاقی مسائل اور واقعات سے دوچار کرنا ضروری ہے۔ اس لیے تعمیر سیرت و تشکیل ذات کے لیے سب سے اعلیٰ نمونہ خود داعی کا ذاتی کردار اور اخلاق ہوتا ہے۔ جس کی طرف وہ دعوت دے رہا ہے کیا وہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہے؟ اس کے قول و فعل میں تضاد تو نہیں؟ اخلاقِ حمیدہ سے اپنی ذات کو مزین کیے ہوئے ہے؟ چنانچہ انسانیت پسند نفسیات (humanistic psychology) میں سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ داعی کی سیرت قابل تقلید ہونی چاہیے۔

نبی کریمؐ کی ذات والا صفات' اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھی۔ آپؐ کی ایک امتیازی شان عملیت ہے یعنی پہلے خود عمل کیا پھر اس کے کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ کی سیرت اور اخلاق کی گواہی خود خالق کائنات نے یوں دی۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور آپؐ جس مقصد کے لیے بھیجے گئے' وہ اخلاق عالیہ کی تکمیل و اہتمام ہے۔ آپؐ نے خود ارشاد فرمایا: انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق "بے شک مجھے اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا"۔

آپؐ کی بعثت نبویؐ سے قبل کی زندگی بھی اہل مکہ کے لیے اخلاق حسنہ کی مثال تھی۔ اور وہ آپؐ کے حسن اخلاق اور اعلیٰ کردار کی گواہی دیتے تھے۔ مثلاً کعبہ کی تعمیر کے وقت جب حجر اسود' کو مخصوص جگہ رکھنے کا مسئلہ درپیش ہوا' تو وہ آپؐ ہی کے ذریعے طے ہوا۔ اس لیے کہ آپس میں لڑنے والے سب آپ کی امانت و دیانت پر متفق تھے۔ یہی نہیں بلکہ آپؐ کی دعوت کے سب سے بڑے مخالف اور آپؐ کے جانی دشمن بھی آپؐ کے اخلاق و کردار کی خوبیاں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ابوجہل' عتبہ' ابوسفیان' نضر بن حارث[۲] نے آپؐ کی صداقت' امانت اور شرافت کی گواہی دی۔

کوہ صفا کا واقعہ جب آپؐ نے فرمایا: لوگو' اگر میں تمھیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے۔ سب نے کہا ہاں'

ہمارے تجربہ میں ہے کہ آپؐ کبھی جھوٹ بولنے والے نہیں رہے' اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ واقعہ آپؐ کے دعوتی اسلوب اور ابلاغی حکمت عملی کا بھی آئینہ دار ہے۔ آپؐ نے علاقائی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک خاص آواز (یاصبایاصباحا) لگائی جو کسی خطرہ یا دشمن کے حملے کے وقت لگائی جاتی تھی تاکہ سب لوگ جمع ہو جائیں۔ پھر آپؐ نے اپنے سچے ہونے پر ان کی گواہی لی۔ اس کے بعد آپؐ نے دعوت حق پیش فرمائی۔ رسول اللہؐ نے اپنی سیرت و اخلاق کے حوالے سے اپنی دعوت کی صداقت کو ثابت فرمایا۔ اور یہی آج کی جدید نفسیات کی تحقیق ہے کہ موثر دعوت کے لیے اولین شرط داعی کا کردار اور اس کی عملیت ہے۔

دعوت دین امت مسلمہ کے بنیادی فرائض میں سے ہے۔ اس فریضہ کو سرانجام دینے کے لیے دعوت اور اس کے طریقہ کار کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دعوت کے اصول بیان فرما دیے ہیں' لیکن عملی اسوہ داعی اعظمؐ کی سیرت طیبہ ہے۔ آپؐ کے دعوتی اسلوب کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ ہر داعیِ حق کے لیے ناگزیر ہے۔

۲۸

ISLAMIC RESURGENCE

CHALLENGES, DIRECTIONS & FUTURE PERSPECTIVES

A Roundtable of pro-eminent American Scholars with
Prof. Khurshid Ahmad
on
Islamic Activism & Fundamentalism

Jointly published by:
Institute of Policy Studies Islamabad
World and Islam Studies Enterprise USA

Sole Distributor

Book Promoters (Pvt) Ltd
Block 19, Markaz F-7, Islamabad. Tel: 823094, ax: 824704

نومسلموں کے رویے

برطانیہ کا ایک مطالعہ

اخذ و تلخیص : مسلم سجاد

سنٹر فار اسلامک سٹڈیز استنبول کے علی کوسے (Ali Kose) نے لندن یونیورسٹی میں اپنا پی۔ایچ۔ڈی کا تحقیقی مقالہ Conversion to Islam: A Study of Native British Converts کے موضوع پر [illegible]۔ اس غیر مطبوعہ مقالے کے مختلف ابواب رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ ہم Islam and Christian Muslim Relations جلد ۵، عدد ۲ میں شائع شدہ Post Conversion Experiences of Native British Converts to Islam پر مبنی یہ تحریر قارئین کے مطالعہ کے لیے پیش کر رہے ہیں (مدیر)۔

مذہب انسان کو شناخت مہیا کرتا ہے اور اچھے برے کی تمیز دیتا ہے۔جدید مغربی معاشرہ میں مذہب کو غیراہم مقام دیا گیا ہے اس لیے شناخت کے لیے مذہب کا حوالہ غیر موثر ہو گیا ہے۔مذہب کی تبدیلی، دراصل ایک شناخت ترک کر کے دوسری اختیار کرنا ہے، جو سابقہ سے متضاد ہو سکتی ہے۔ اس سے عقائد و تصورات، رویے اور برتاؤ، طور طریقے، رہن سہن، غرض شخصیت کا ہر پہلو متاثر ہوتا ہے۔اس کا انحصار اس پر ہے کہ نئے مذہب سے وابستگی کتنی شدید ہے۔بعض نئے مذہب سے واجبی تعلق رکھتے ہیں اور بعض اپنے آپ کو مکمل طور پر سپرد کر دیتے ہیں۔قبول اسلام، نومسلموں کے لیے ذہنی، اخلاقی اور مذہبی لحاظ سے اعلیٰ اور بلند تر مقام حاصل کرنے کا مرحلہ ہوتا ہے اور شناخت میں واضح تبدیلی آتی ہے۔"اگر مجھے تبدیل نہیں ہونا تو میں اسلام کیوں قبول کروں؟" ایک نومسلم نے کہا کہ یہ تبدیلی اتنی فطری اور ناگزیر ہے جتنا سامنے زمین پر گھاس کا اگنا کہ اسے روکا نہیں جا سکتا۔اس مطالعے کے لیے جن ستر افراد (۵۰ مرد، ۲۰ خواتین) سے انٹرویو لیے گئے سب صرف عقائد کے دائرہ میں ہی نہیں، طرز زندگی اور معاملات میں غیر معمولی تبدیلیوں سے گزرے ہیں، گو کہ طرز زندگی کی تبدیلیوں میں درجے کا فرق ہے۔نومسلم کے لیے اصل اہمیت زندگی کے مقصد کی ہوتی ہے۔قبول اسلام کے بعد کل زندگی ایک نئے تناظر میں دیکھی جاتی ہے۔دنیا کے بارے میں تصور بنیادی طور پر

تبدیل ہو جاتا ہے ۔ ذاتی اور معاشرتی سطح پر سابقہ شناخت ترک کر دی جاتی ہے اور زندگی کو نئے سرے سے استوار کرنے کا عہد کیا جاتا ہے ۔ سائمن نے کہا: "اب میرے تمام کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور میرے زندہ رہنے کا کوئی مقصد ہے ۔ میں اسلام کو صرف نماز پڑھنے کا مذہب نہیں ' بلکہ نظریۂ حیات سمجھتا ہوں ۔ اسلام آپ کی کل زندگی کا ' ہر عمل کا احاطہ کرتا ہے"۔ کیرون نے کہا: "پہلے ہمیشہ ہر وقت ایک کمی کا احساس ہوتا تھا ۔ معلوم نہیں کس کمی کا ' لیکن اب ہر چیز ٹھیک اپنی جگہ پر ہے ۔ یہ سب سے اچھی بات ہوئی ہے"۔

کلمہ شہادت ادا کرنے کے بعد عموماً پہلا کام نام کی تبدیلی ہوتا ہے ۔ یہ نئے مذہب کے ساتھ تعلق اور شناخت کی ظاہری علامت ہے اور اس سے مسلمانوں کی برادری میں تعلقات قائم کرنے میں سہولت ہوتی ہے ۔ ایسا کرنا لازمی نہیں ہے الا یہ کہ سابقہ نام کا کوئی برا مفہوم ہو ۔ ۷۰ میں سے ۵۷ (۸۱ فی صد) کے اب اسلامی نام ہیں ' جب کہ ۱۳ (۱۹ فی صد) کے نہیں ہیں ۔ جن کے اسلامی نام ہیں وہ عموماً مسلمانوں کے درمیان یہ نام استعمال کرتے ہیں ۔ روز مرہ زندگی میں پرانا نام ہی کام دیتا ہے ۔ صرف ۴ (۶ فی صد) نے قانونی طور پر نام تبدیل کیا ہے اور صرف اس کو استعمال کرتے ہیں ۔ جنھوں نے نام تبدیل نہیں کیا ہے ' ان کا کہنا ہے کہ ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ لوگوں کو یہ بتایا جا سکے کہ انگریز اور مسلمان دونوں ساتھ ساتھ ہونا ممکن ہے ۔

ایک تاثر یہ ہے کہ مذہب تبدیل کرنے والے اپنی سابقہ زندگی کے گناہوں اور بداخلاقیوں کو بڑھا کر بتاتے ہیں تاکہ موجودہ زندگی کے خوب تر ہونے کا اظہار ہو سکے ۔ زیر جائزہ نو مسلموں نے عموماً سابقہ زندگی کو گناہوں کی زندگی کی حیثیت سے بیان نہیں کیا بلکہ بے مقصد ' جاہلانہ ' غلط سمت میں جانے والی قرار دیا ۔ ۲۵ (۳۶ فی صد) سابقہ زندگی کو مسترد نہیں کرتے بلکہ موجودہ زندگی کو اس کی تکمیل قرار دیتے ہیں ۔ صرف ۱۲ (۱۷ فی صد) نے ماضی کے حوالے سے اپنے کو گناہ گار قرار دیا ۔ ۱۲ (۱۷ فی صد) نے بے مقصد ' ۸ (۱۱ فی صد) نے گم گشتہ راہ ' ۶ (۸ فی صد) نے لاعلمی کا شکار اور ۷ (۱۰ فی صد) نے غلط سمت میں جانا بیان کیا ۔ سب ہی نے سابقہ زندگی کو اپنے راہ راست پر آنے کی وجہ قرار دیا ۔ "میری سابقہ زندگی ضروری تھی اس لیے کہ جو کچھ پہلے گزرا ہے وہی مجھے موجودہ حالت تک لایا ہے"۔ "اگر میری سابقہ زندگی نہ ہوتی تو میں موجودہ مرحلہ تک نہ پہنچا ہوتا"۔ یہ اسلامی تعلیمات کا اثر ہے کہ نو مسلم اپنے کو اب سابقہ گناہوں سے پاک صاف سمجھتے ہیں ۔

نو مسلموں کے لیے ' کلمہ پڑھنے کے بعد ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دینے کا یا تثلیث کا عقیدہ ختم ہو گیا ہے ۔ اب حضرت عیسیٰ نبیوں میں سے ایک نبی ہیں جو آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں ۔ نو مسلم سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد ایک ہی ہیں ۔ اسلام

عیسائی یہودی عقیدے کا تسلسل ہے ' ان کی نفی نہیں ہے۔ "مجھے اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں کوئی مشکل اس لیے پیش نہیں آتی کہ بہت کچھ عیسائیت کی اخلاقی تعلیمات سے مشابہ ہے"۔ عموماً سب ہی نے قبول اسلام سے پہلے تیاری کا عرصہ گزارا' اس لیے کسی کو اچانک نئے طریقے اختیار نہیں کرنے پڑے۔ وہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ اسلام بہت سی پابندیاں لگاتا ہے اور وہ انھیں قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ بعض نے تیاری کے بغیر' اور اسلام اور اسلامی تعلیمات کے بہت کم علم کے ساتھ قبول کیا۔ انھیں عربی میں نماز پڑھنا سیکھنا پڑی۔ بعض نے بتایا کہ وہ کچھ عرصے نماز انگریزی میں بھی پڑھتے رہے۔ کچھ نے کئی باتوں کو جوش و خروش کے ساتھ جلدی سیکھا اور کچھ نے تدریج کے ساتھ آہستہ آہستہ۔

۳۴ (۴۹ فی صد) افراد اب پانچ وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ ۳۶ (۵۱ فی صد) پابندی سے ادا نہیں کرتے گو یہ سمجھتے ہیں کہ انھیں ایسا کرنا چاہیے۔ سب نے بتایا کہ وہ جمعہ کی نماز ضرور ادا کرتے ہیں۔ ۱۹ (۲۷ فی صد) نے بتایا کہ وہ رمضان میں روزے باقاعدگی سے نہیں رکھتے ' جب کہ ۵۱ (۷۳ فی صد) پورے ماہ کے روزے رکھتے ہیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نو مسلم ابتدائی طور پر اسلام کے مثبت کے مقابلے میں منفی احکامات کی زیادہ پابندی کرتے ہیں۔ نماز اور روزہ کے مقابلے میں وہ سور کے گوشت ' شراب اور زنا سے پرہیز کا اہتمام زیادہ کرتے ہیں۔ برنارڈ نے کہا: "میں نے شراب نوشی فوراً ترک کر دی لیکن نماز شروع کرنے میں ایک سال لگا"۔ صرف چھ نے کہا کہ وہ کبھی کبھی شراب پی لیتے ہیں۔

لباس کے مسئلے کی اصل مشکل خواتین کے لیے تھی۔ ۲۰ میں سے ۱۴ (۷۰ فی صد) اسکارف باندھتی ہیں' لیکن سب ہی لمبی آستین' بند گلا اور گھٹنے سے نیچے تک اسکرٹ پہنتی ہیں۔ ربیکا کے خیال میں اسکارف اتنا ضروری نہیں۔ وہ داخلی تبدیلی پر زور دیتی ہے۔ اس کے لیے اسکارف پہننا اس لیے بھی مشکل ہے کہ "وہ انگریز ہے"۔ "اگر آپ انگریز ہیں' اور آپ کی اس ملک میں پرورش ہوئی ہے اور آپ مسلمان ہو جاتی ہیں تو آپ کو کچھ راستے خود نکالنا ہوتے ہیں' اس لیے کہ آپ انگریز تو بدستور رہتی ہیں۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ میں جس معاشرہ میں رہتی ہوں' اس کی روایات اور معمولات کا لحاظ مجھے رکھنا ہوگا۔ مجھے خود طے کرنا ہوگا کہ کیا لباس مناسب ہے۔ جب میں باہر جاتی ہوں تو اسکارف نہیں پہنتی اس لیے کہ میں نہیں چاہتی کہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنوں"۔

۵۰ میں سے ۳ مردوں (۶ فی صد) نے بھی لباس مکمل طور پر تبدیل کر لیا اور عبا اور صافہ اختیار کر لیا۔ تصوف سے متاثر سب افراد نے اور دوسروں میں سے نصف نے داڑھی رکھ لی۔ ۵۰ مرد نو مسلموں میں سے ۱۶ (۳۲ فی صد) نے قبول اسلام کے بعد ختنہ کروایا جب کہ ۲۴ (۴۸ فی صد) نے نہیں کروایا۔ ۱۰ (۲۰ فی صد) پہلے ہی مختون تھے۔

نو مسلموں میں دونوں طرح کے لوگ ہیں ' ایسے بھی جنھوں نے سابقہ عادات اور رویوں کو یکدم ترک کر دیا اور ایسے بھی جنھوں نے سابقہ عادلت کو برقرار رکھا ہے ۔ ماضی کی عادلت و اقدار کا ترک یکدم نہیں ہوتا ۔ یہ ایک مسلسل عمل ہے ۔ ایک دلچسپ سوال یہ ہے کہ آیا نو مسلم ' پیدائشی مسلمانوں سے بہتر مسلمان ہیں ؟ بد قسمتی سے اس سلسلے میں کوئی تقابلی مطالعہ نہیں کیا گیا ہے ۔ تاہم ایک ذاتی تاثر یہ ہے کہ بہت سے پیدائشی مسلمانوں کے مقابلے میں نو مسلم اپنے مذہب کو زیادہ سنجیدگی سے لیتے ہیں ۔

نو مسلم ایک نئی برادری کا حصہ بن جاتا ہے ۔ بیش تر لوگوں نے بتایا کہ نئی برادری نے ان کو دل سے خوش آمدید کہا ' حوصلہ افزائی کی اور رہنمائی فراہم کی اس لیے کہ انھوں نے اپنے معاشرے کے علی الرغم ان کا مذہب خوشی سے قبول کیا تھا ۔ ہرے کرشنا جیسے بعض مذاہب اختیار کرنے سے فرد سابقہ معاشرے سے بالکل کٹ کر رہ جاتا ہے لیکن اسلام قبول کرنے والے اپنے کو اس معاشرے کا فرد سمجھتے ہیں ' سب سے الگ نہیں ہو جاتے ۔ انھیں ایک طرف اپنے مقامی ماحول کا شعور و ادراک ہوتا ہے ' اور ساتھ ہی جس مذہب کو انھوں نے اختیار کیا ہے اس کی آفاقیت سے بھی وہ آگاہ ہوتے ہیں ۔ اکثر اپنا نام اور پیشہ برقرار رکھتے ہیں ۔ انھیں مسلمان اور انگریز یا برطانوی ہونے اور اس معاشرے میں رہتے رہنے میں کوئی تضاد محسوس نہیں ہوتا ۔

تبدیلی مذہب کو برقرار رکھنے میں شادی کا فیصلہ کن کردار ہوتا ہے ۔ قبول اسلام کے بعد جنھوں نے شادی کی ہے ' ان سب نے سوائے ایک کے (۶۸ فی صد) مسلمانوں سے شادی کی ۔ ۲۱ فی صد نے نو مسلموں سے شادی کی ۔ تقریباً تمام غیر شادی شدہ افراد نے کہا کہ وہ مسلمان سے شادی کریں گے ۔ صرف ۴ کے نزدیک شادی کے فیصلہ میں مذہب کی اہمیت نہیں ہے ۔

کسی شخص کا تہذیبی تشخص نہایت نازک معاملہ ہوتا ہے ' مرضی کے خلاف تبدیلی کی کوشش سے ناخوشگوار صورت پیدا ہو سکتی ہے ۔ مقامی انگریزوں کے مسلمان ہونے سے یہ مسئلہ سامنے آیا ہے کہ آیا وہ اسلام کو مغرب زدہ کر دیں گے یا اپنے اردگرد مسلمانوں کی تہذیب میں خود جذب ہو جائیں گے کیا وہ اپنا کلچر تبدیل کر لیں گے ؟ اس کا جواب مختلف نو مسلموں کے لحاظ سے مختلف ہے ۔ اسلام قبول کرنے کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اب انگریز یا برطانوی نہیں رہے ۔ ایک نو مسلم کی زندگی میں ایسی عیسائی مذہبی روایات مل سکتی ہیں جو اسلام کے خلاف نہیں ہیں ۔ ایک مثال کے طور پر ' بعض نو مسلموں نے بتایا کہ وہ کرسمس کو ایک نبی ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت کے طور پر مناتے ہیں اور اپنے اہل خاندان سے تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں ۔ یہ نو مسلم برطانیہ میں اسلام پر عمل کرنے کے ایسے طریقے معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ اسی معاشرہ میں مناسب طور پر رہ سکیں ۔ جینٹ کے بقول آپ اتنا سخت نہیں ہو سکتے کہ یہاں رہ ہی نہ سکیں ۔ نو مسلموں نے اپنا کلچر

تبدیل نہیں کیا ہے گو کہ بعض تبدیلیاں ضرور آئی ہے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ مسلمان ہونے سے وہ عرب یا پاکستانی بھی ہو گئے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اب بھی انگریز یا برطانوی ہیں اور مسلمان ہونے سے پہلے یا بعد ان کے کلچر میں کوئی تضاد پیدا نہیں ہوا ہے۔ جس طرح کوئی مصری مسلمان یا پاکستانی مسلمان ہوتا ہے اسی طرح وہ برطانوی مسلمان ہیں۔ رچرڈ کے مطابق: مجھے انگریز ہونے پر فخر ہے۔ پاکستانی ہونے سے میں اسلام کے زیادہ قریب نہیں آجاتا۔ اسٹیو کے مطابق: اسلام اور مغربی دونوں تہذیبوں سے تعلق میں یہ فائدہ ہے کہ دونوں کی اچھی چیزیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔ لیکن بہرحال دو تہذیبوں سے تعلق مسائل پیدا کرتا ہے: آپ مسجد میں داخل ہوئے ہیں اور ہر آپ کی طرف گھوم کر آپ کو گھورنے لگتا ہے گویا کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو نہیں، بلکہ ایشیائی علاقے میں آنے والے ایک سفید فام کو دیکھ رہا ہے۔

نو مسلم کسی مخصوص مسلم برادری سے تعلق استوار کرنے کے بجائے وسیع تر مسلم برادری اور آفاقی رشتہ اخوت سے وابستگی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اپنے اردگرد کی مسلمان آبادیوں کے کلچر میں اپنے لیے مناسبت نہیں پاتے۔ ان کا کہنا ہے کہ مختلف نسلی گروہوں کے کلچر کے بعض عناصر اسلام میں داخل ہو گئے ہیں اور اس کا حصہ سمجھے جاتے ہیں۔ وہ اسلام کو دیگر نسلی پس منظر کے مسلمانوں سے مختلف انداز سے دیکھتے ہیں، اور مسلم آبادیوں میں رائج غیر اسلامی رواجوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مسلمان اپنے کلچر کو اپنے مذہب سے کنفیوز کرتے ہیں۔ "بہت سے پیدائشی مسلمان اسلام کے اپنے مخصوص تصورات رکھتے ہیں جو ان کی تہذیبی روایت، قدامت پسندی یا اسلام کے علاوہ کسی دوسری چیز کے عکاس ہیں"۔

اس سوال کے جواب میں کہ کیا وہ یہ خواہش رکھتے ہیں کہ مسلمان خاندان یا مسلمان ملک میں پیدا ہوئے ہوتے؟ ۵۱ (۷۳ فی صد) نے کہا: نہیں۔ صرف ۱۹ (۲۷ فی صد) نے کہا: ہاں۔ ہاں کہنے والے وہ تھے جنھوں نے قبول اسلام سے قبل زندگی میں تکلیفیں اٹھائی تھیں اور نہیں کہنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہوتا تو وہ اسلام اور مسلمانوں کے کلچر کے فرق کو نہیں سمجھ سکتے تھے اور قبول اسلام کے جاں فزا تجربے سے نہ گزرتے۔ اب انھیں یہ فخر ہے کہ انھوں نے سب کچھ دیکھ کر، چکھ کر، مسترد کر کے اسلام قبول کیا ہے۔ وہ پیدائشی مسلمانوں کے مقابلے میں اسلام کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں اس لیے کہ ان کے اسلام میں غیر اسلامی کلچر کی آمیزش ہے۔

غیر مسلم معاشرہ میں قبول اسلام بعض نو مسلموں کے لیے سوشل بائیکاٹ کی صورت حال پیدا کر سکتا ہے۔ اعزہ اور احباب کے اعتراضات بعض اوقات نو مسلم کو زیادہ پختہ کر دیتے ہیں۔ ایک نو مسلم نے اسلام کو قانونی طور پر اس لیے اختیار کیا کہ دوستوں اور رشتہ داروں پر واضح ہو جائے کہ اس نے اسلام کو ہمیشہ کے لیے قبول کیا ہے۔

اولاد کے قبول اسلام پر والدین کے ردعمل کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) جن کے خیال میں ان کے لیے ان کی یہ اولاد مر گئی ہے۔ ایک کے باپ نے دو سال تک بات نہیں کی۔ ۱۳ (۱۹ فی صد)۔ (۲) غیر جانبدارانہ عدم دلچسپی کا رویہ۔ ۲۲ (۳۱ فی صد)۔ (۳) جنھوں نے اولاد کے اس اقدام کو پسند کیا ۱۰ (۱۴ فی صد)۔ ان کے خیال میں اسلام پر عمل کرنے سے ان کی اولاد بہتر انسان بن گئی۔ دو نو مسلموں نے اپنی والدہ کو بھی دو سال کے عرصے میں مسلمان کر لیا۔ ۱۷ (۲۴ فی صد) نو مسلموں کا والدین سے اتنا رابطہ نہ تھا کہ ردعمل کا سوال پیدا ہوتا۔ ۸ (۱۱ فی صد) نے والدین کو اطلاع ہی نہیں دی۔ قبول اسلام پر دوستوں کے ناخوشگوار رویے سامنے آئے۔ بعض نے نو مسلموں کے ساتھ تحقیر کا رویہ اختیار کیا۔ عموماً کوئی دشمنی پیدا نہیں ہوئی اور دوستیاں آہستہ آہستہ ختم ہو گئیں۔ بیشتر صورتوں میں نو مسلم نے نہیں بلکہ سابقہ دوستوں نے دوستی ختم کی۔ بعض دوسری صورتوں میں خود نو مسلموں بھی اسے ختم کرنے کی خواہش رکھتے تھے اس لیے کہ اس صورت میں وہ اپنی نئی شناخت کو قائم نہ رکھ سکتے تھے۔ کچھ کی دوستیاں اب بھی سابق دوستوں سے قائم ہیں۔

چھوٹی جگہوں پر ایک کے معاملات سب کے ساتھ مشترک ہوتے ہیں۔ ایسی جگہوں پر نو مسلموں کو ماحول میں کشیدگی سے سابقہ پیش آیا۔ جو نو مسلم ایسے مقامات پر رہتے تھے' جہاں مسلمان آبادیاں ہیں' وہاں انھیں کم دباؤ برداشت کرنا پڑا بنسبت ان علاقوں کے جہاں مسلمان آباد نہیں ہیں۔ چارلس کو ایسے مقام پر منتقل ہونا پڑا جہاں مسلمان آباد نہ تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ بالکل اجنبی جگہ آگیا ہے۔

اس مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول اسلام سے ہر فرد کے اندر بنیادی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے درجے میں' نو مسلم کی وابستگی کے تناسب سے فرق تھا۔ یہ تبدیلیاں مسلسل عمل ہیں اور برطانیہ کے تہذیبی تناظر میں جاری ہیں۔

[برطانوی مسلمانوں کی تعداد ۳ سے ۵ ہزار تک بتائی جاتی ہے اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اس مطالعہ کے لیے ۷۰ افراد سے انٹرویو لیے گئے یہ سب انگلینڈ میں رہائش پذیر ہیں۔

۶۶ کا عیسائی پس منظر ہے اور ۴ کا یہودی۔ عمریں ۱۷ سے ۶۶ برس تک ہیں۔ قبول اسلام کے بعد کی مدت ایک ہفتہ سے ۴۸ برس تک ہے۔ مذہب تبدیل کرنے والے عموماً پست طبقے سے آتے ہیں۔ لیکن اسلام کے معاملہ میں ایسا نہیں۔ عموماً ان کا تعلق معاشی اور تعلیمی لحاظ سے اچھی سطح سے ہے۔ ۴۰ فی صد گریجوٹ ہیں' ۱۳ فی صد کے پاس ماسٹر کی ڈگری ہے اور ۷ ڈاکٹریٹ کیے ہوئے ہیں۔ ۴۰ فی صد کی کالج کی تعلیم نہیں ہے۔ معاشی لحاظ سے ۴ فی صد اپر مڈل کلاس' ۴۶ فی صد مڈل کلاس' ۱۱ فی صد لوئر مڈل کلاس اور ۳۴ فی صد ورکنگ کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ قبول اسلام کے وقت ۴۰ غیر شادی شدہ تھے' ۲۳ شادی شدہ تھے' ۷ طلاق یافتہ تھے]۔

بیوی سے حُسنِ سلوک

محمود احمد ظفر

نوٹ:- یہ مضمون مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کی تحریروں اور گفتگوؤں کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔

تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ بہترین ہیں۔ یہ تعلیم اللہ کے جس بندے نے دی' انسانی نفسیات کا شعور و ادراک اس سے زیادہ کسی کو نہ تھا۔ چوبیس گھنٹہ کی مسلسل انتہائی قریبی رفاقت اور وہ بھی طویل مدت تک' کسی بھی انسان کے مزاج اور کردار کا حقیقی امتحان ہوتی ہے۔ محفلوں کے کتنے ہی خوش مزاج لوگ گھروں میں تیغ براں ہوتے ہیں۔ ہمت افزائی کے لیے تحسین کا سبق دینے والے اپنے گھر میں اپنی بیویوں کے لیے ایک کلمہ تحسین کہنے میں بھی بخل سے کام لیتے ہیں۔ لیکن وہ جو رسول ؐ کے اسوہ پر چلنا چاہتے ہیں' وہ اپنی بیویوں کے ساتھ ہمدردی' محبت اور دلجوئی کا سلوک کرتے ہیں اور اس طرح اپنے حسن کردار کا اظہار کرتے ہیں۔

دین پر عمل کرنے والوں کے بارے میں ایک تاثر یہ ہے کہ وہ مزاجاً خشک ہوتے ہیں۔ ان کے گھروں میں خوش گوار فضا کے بجائے خوف اور ڈانٹ ڈپٹ کی فضا ہوتی ہے۔ اگر کہیں ایسا ہے بھی' تو اس کا کوئی تعلق دین کی تعلیمات اور اللہ کے رسول ؐ کے اسوہ سے نہیں ہے۔

ازواج مطہرات کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور برتاؤ کے بارے میں متعدد روایات ملتی ہیں جن سے ایک ایسے گھر کا نقشہ سامنے آتا ہے جہاں فطرت انسانی کے عام تقاضوں کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے اور رفیقہ حیات کی دلجوئی کی جاتی ہے۔

"حضرت عائشہ ؓ چونکہ سب بیبیوں سے کم عمر تھیں تو آپ ان کی عمر کے موافق ان کی دل جوئی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضور ؐ ایک مرتبہ ان کے ساتھ دوڑے بھی ہیں۔ چونکہ حضرت عائشہ ؓ [کم عمر] چھریرے بدن کی تھیں اور حضور ؐ بڑی عمر کے تھے' آپ ؐ کا جسم مبارک بھاری ہو چکا تھا' دوڑ میں حضرت عائشہ ؓ حضور ؐ سے آگے نکل گئیں۔ کچھ عرصہ کے بعد حضور ؐ پھر ایک مرتبہ دوڑے۔ اس مرتبہ حضور ؐ آگے نکل گئے کیونکہ اب حضرت عائشہ ؓ کا بدن ذرا بھاری ہو گیا تھا۔ اس وقت یہ حضور ؐ سے

آگے نہ نکل سکیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ "یہ اس کا بدلہ ہے کہ تم پہلے آگے نکل گئی تھیں"۔

اس دوڑ میں جو بے تکلفی ہے اسی کا اظہار بیوی کا ناز و ادا کرنا اور روٹھنا بھی ہے۔ جب کبھی حضورؐ کی ازواج روٹھ جاتیں، تو آپ ٹال دیتے۔ اس کی ایک مثال واقعہ افک میں سامنے آتی ہے۔

"جب (حضرت) عائشہؓ کی برات میں وحی نازل ہوئی تو ان کے والدین نے ان سے کہا: حضورؐ کے پاس جاؤ اور آپؐ کا شکریہ ادا کرو۔ تو آپؓ فرماتی ہیں: نہیں واللہ میں تو نہیں اٹھتی، نہ میں کسی کا شکریہ ادا کروں سوائے اللہ کے، اسی نے میری برات نازل فرمائی۔ ظاہر میں یہ کتنا سخت لفظ ہے کہ حضورؐ کے منہ ہی پر کہتی ہیں کہ میں تو نہیں اٹھتی نہ میں کسی کا شکریہ ادا کروں۔ مگر حضورؐ کو اصلاً ملال نہ ہوا کیونکہ ناز محبوبانہ تھا"۔

اسی سلسلہ میں سیدہ عائشہؓ کے ایک اور واقعہ سے بیوی کے ناز محبوبانہ کا پتہ چلتا ہے اور ساتھ ہی خاوند کے ناز اٹھانے کا۔

"ایک مرتبہ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں پہچان جاتا ہوں جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔ عرض کیا کہ حضورؐ کس طرح پہچان لیتے ہیں۔ فرمایا جب راضی ہوتی ہو تو اپنی بول چال میں یوں کہتی ہو لا ورب محمد [اس وقت رب محمدؐ کہتی ہو] اور جب ناراض ہوتی ہو تو یوں کہتی ہو لا ورب ابراھیم [اس وقت رب محمد نہیں کہتی ہو] کہا حضورؐ واقعی آپ کا خیال ٹھیک ہے، مگر میں غصہ کی حالت میں بھی صرف آپؐ کا نام چھوڑ دیتی ہوں یعنی دل سے آپ کو نہیں بھولتی۔ جیسا حضورؐ کو عائشہؓ کے ساتھ بہت تعلق تھا، حضرت عائشہؓ بھی سب سے زیادہ آپؐ کی عاشق تھیں۔ ان کے ایک شعر کا مفہوم ہے: زلیخا کی سہیلیاں اگر حضورؐ کو دیکھ لیتیں تو بجائے اپنے ہاتھ کاٹنے کے اپنے دل کاٹ لیتیں"۔

عورت مال و دولت سے زیادہ خاوند کی محبت، حسن سلوک اور دلجوئی کی خواہش مند ہوتی ہے۔ شوہر کی جانب سے اگر اس کو محبت کے پھول ملتے رہیں اور نرم و نازک باتوں سے اس کی دل جوئی ہوتی رہے تو وہ غربت و افلاس میں بھی اپنی زندگی کے دن ہنسی خوشی گزار دیتی ہے۔ لیکن اگر شوہر کی جانب سے اسے ترش روئی اور جھڑکیوں کے طمانچے ملیں تو مال و دولت کے ڈھیر بھی اس کے لیے کانٹوں کا بستر بن جاتے ہیں۔

"صرف نان و نفقہ ہی عورت کا حق نہیں ہے، بلکہ یہ بھی حق ہے کہ اس کی دلجوئی کی جائے۔ حدیث میں استوصو ابالنساء خیر افانماھن عوان عندکم "یعنی عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو کیونکہ وہ تمھاری معاون ہیں"۔ جو شخص معاون ہو، ہر طرح بس میں ہو، اس پر سختی کرنا جوانمردی کے خلاف ہے۔ دل جوئی کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بات ایسی نہ کرو جس سے اس کا دل دکھے، دل کو تکلیف ہو۔

بیبیو! اس سے زیادہ اور وسعت کیا چاہتی ہو۔ نان نفقہ وغیرہ ضابطہ کے حقوق کو تو سب جانتے ہیں اور وہ محدود و حقوق ہیں۔ لیکن دل جوئی ایسا مفہوم ہے جس کی تحدید نہیں ہو سکتی کہ جس بات سے عورتوں کو اذیت ہو وہ مت کرو۔ اب کہا جا سکتا ہے کہ عورت کے حقوق غیر محدود ہیں"۔

رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد بیوی جب شوہر کے ہاں آئے گی تو ہو سکتا ہے کہ اس کی عادات کچھ ایسی ہوں جو شوہر یا اس کے گھر والوں کو پسند نہ آئیں 'کیونکہ اس کی تربیت ایک دوسرے خاندان اور دوسرے ماحول میں ہوئی ہے ' لہٰذا مرد کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ صبر و ضبط کے ساتھ بیوی کی ناپسند عادتوں اور باتوں کو برداشت کرے۔ یہی تلقین بیوی کو بھی کی گئی۔

"یہ ایسا اصول ہے کہ اگر اس کو میاں بیوی دونوں یاد رکھیں تو کبھی لڑائی جھگڑا نہ ہو اور کوئی بدمزگی پیش نہ آئے۔ بیوی یاد کرے کہ میاں نے ہزاروں طرح کے ناز میرے اٹھائے ہیں ' ایک دفعہ سختی کی تو کچھ بات نہیں اور خاوند خیال کرے کہ بیوی ہزاروں قسم کی خدمتیں میری کرتی ہے [چلیں] ایک بات خلاف طبع بھی سہی۔ حق تعالیٰ نے بھی یہ مضمون قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔ مردوں کو غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کس عمدہ پیرایہ میں عورتوں کی سفارش کی ہے۔ فرمایا ہے:
وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (النسا ۴: ۱۹)
عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اور اگر کسی وجہ سے تم کو وہ ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کو کوئی چیز ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت بھلائیاں رکھ دی ہوں"۔ یہ ہے کتاب اللہ کہ اس کی ایک ایسی تعلیم کو دیکھ کر عقل سلیم والا کہہ اٹھے گا کہ بے شک قرآن کتاب اللہ ہے"۔

گھروں کا ایک عام مسئلہ زبان کی تیزی کی وجہ سے پیدا ہونے والی بدمزگی ہوتا ہے۔ یہ مردوں کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے اور خواتین کی طرف سے بھی۔ اسی طرح کی بداخلاقی کو برداشت کرنا معمولی بات نہیں ہوتا۔ ہر ایک کے اپنے طبائع ہوتے ہیں اور کسی کو کسی دوسرے کی کوئی بات بے حد ناگوار ہو سکتی ہے 'لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت اس بارے میں یہ ہے کہ انسان یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس میں خیر کثیر رکھ دیا ہے۔ اگر یہ سوچ ہو تو بہت سے بگڑے ہوئے حالات درست ہو سکتے ہیں اور انسان خود اپنا احتساب کر کے رویہ بدل لے تو گھر کی فضا خوشگوار ہو سکتی ہے۔ "یہ ہے طرز معاشرت سنت کے موافق۔ اب جو لوگ متانت و وقار کو لیے پھرتے ہیں وہ اسی میں رہیں۔ بیوی پر اپنا رعب اتنا نہ بڑھانا چاہیے کہ میاں بالکل ہوا ہی ہو جائے کہ ادھر میاں نے گھر میں قدم رکھا اور بی بی کا دم فنا ہوا ' ہوش و حواس جاتے رہے۔ بے چاری کے منہ سے کوئی بات نکلی یا کوئی چیز مانگی اور ڈانٹ ڈپٹ شروع ہو گی 'کہ تم بہت فضول خرچ ہو ' اس چیز کی کیا ضرورت تھی ' اس چیز کی کیا ضرورت ہے"۔

گھر والوں کے آرام کا خیال رکھنا ' اور ان کی دلجوئی مرد کے فرائض میں ہے ' ساتھ ہی خوشگوار

عائلی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ مرد خود بھی مشقت برداشت کرے اور گھر کے کام میں ہاتھ بٹائے، محض حاکم بن کر نہ رہے۔

"حکومت کرنے کا تو سب کا جی چاہتا ہے محکوم پر اس کا مضایقہ نہیں، مگر محکوم کے کچھ حقوق بھی تو ہیں ان کی بھی، تو رعایت کی ضرورت ہے ذکر کرنے کی تو بات نہ تھی مگر چونکہ ضرورت ہے اس لیے کہتا ہوں کہ میرے گھر والوں سے معلوم کیا جائے کہ میں اپنے گھر والوں پر کس قدر حکومت کرتا ہوں اور ان سے کیا کیا خدمتیں لیتا ہوں، الحمدللہ! میں نہ تو خود مقید ہوتا ہوں نہ دوسروں کو مقید کرتا ہوں۔ بادشاہوں کی سی زندگی بسر ہوتی ہے۔ میرا معمول ہے کہ گھر جا کر دیکھا کہ تازی روٹی نہیں پکی تو باسی کھالی۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ دیکھا کہ اہلیہ کسی کام میں مصروف ہیں خود اپنے ہاتھ سے روٹی لے لی، پانی بھر کر پاس رکھ لیا، برتن لے کر اپنے ہاتھ سے سالن لے لیا اور بیٹھ کر کھا لیا۔ بلکہ یہاں تک کرتا ہوں کہ دیکھتا ہوں کہ وہ روٹی وغیرہ پکانے میں مشغول ہیں اور ان کو کسی چیز کی ضرورت ہے، مثلاً پانی کی ضرورت ہے، اپنے ہاتھ سے نل یا گھڑے سے لوٹا بھر کر دے دیتا ہوں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جا کر جب دیکھا کہ فارغ ہیں تو کہہ دیا کہ کھانا لاؤ۔ ان باتوں کی رعایت رکھنا ضروری ہے اور مشغولی عدم مشغولی ہی پر کیا موقوف ہے۔ انسان ہی تو ہے، ہر وقت طبیعت یکساں نہیں رہتی۔ کسی وقت خادم کی طبیعت پر کسل ہوتا ہے، اور اپنی طبیعت بشاش دیکھی، اپنے سب کام اپنے ہاتھ سے کر لیے۔ غرضیکہ اس کا کوئی معمول یا التزام نہیں کہ وہی کریں۔ سو اگر حدود میں رہتے ہوئے اور ان کے راحت و آرام کا خیال کرتے ہوئے ان سے خدمت بھی لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بے مروتی، بے رحمی اور ظلم کا درجہ تو نہ ہونا چاہیے۔ یہ عورتوں کا طبقہ تو مردوں کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ کا مصداق ہوتا ہے۔ ان کو ستانے سے کتنے رکعت کا ثواب ملتا ہے؟ اگر ایسی ہی بہادری اور حکومت کا جوش ہے تو کسی قدرت والے پر آدمی حکومت کرے، ہم تو جب جانیں۔ بعض بے رحم تو حدود سے گزر کر عورتوں کو زدوکوب کرتے ہیں جس کے تصور سے بھی وحشت ہوتی ہے۔ عورتوں پر اس قسم کے تشدد کرنا نہایت کم حوصلگی اور بزدلی کی دلیل ہے۔ جو مرد کی شان کے خلاف ہے۔

یہ عرض کر رہا تھا کہ میں بہت سے کام اپنے ہاتھ سے کر لیتا ہوں تو مجھ کو کون سی تکلیف ہوتی ہے اور میرا کون سا کام ہونے سے رہ جاتا ہے؟ بلکہ جیسی مجھے اس سے راحت ہوتی ہے کہ وہ میری خدمت کرتیں، اس سے بھی راحت ہوتی ہے کہ ان کو راحت مل گئی۔ رات کو مجھ کو نیند کم آتی ہے تو گھر والوں کو سوتا دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ان کو تو نیند آ رہی ہے۔ پھر گھر سے چلنے کے وقت پوچھتا ہوں کہ کوئی ضروری کام میرے متعلق تو نہیں، میں جا رہا ہوں۔ اگر کہا کوئی کام نہیں، چلا آیا۔ اگر کہا کہ ہے، بیٹھ گیا"۔

حامد ابو النصرؒ کی یاد میں

اخوان کی داستان عزیمت کا ایک باب

اخوان المسلمون کے چوتھے مرشد عام محمد حامد ابو النصر ۲۰ جنوری ۹۶ کو ۸۳ برس کی عمر میں وفات پا گئے ۔ اِنَّالِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون ۔ وہ مصر کے مردم خیز خطے اسیوط کے قصبے منفلوط میں فروری ۱۹۱۳ میں پیدا ہوئے ۔ ان کے خاندان کو دینی و دنیوی لحاظ سے اعلیٰ مقام حاصل تھا ۔ ۱۹۳۲ میں ۲۰ سال کی عمر میں وہ اخوان المسلمون میں باقاعدہ شامل ہوئے ۔ وہ امام حسن البنا کے معتمد ساتھی تھے ۔ غیر ملکی سفارت خانوں سے رابطہ ان کی ذمہ داری تھا ۔ ۱۹۵۴ میں ناصر کے دور میں حکومت سے تصادم سے گریز کی پالیسی اختیار کی ۔ اخوان پر ابتلا و تعذیب کا جو دور آیا اس میں انھیں عمر قید کی سزا دی گئی ۔ انھوں نے ۲۵ سال جیل میں گزارے ' ۱۹۸۶ میں عمر تلمسانی کے انتقال پر انھیں مرشد عام منتخب کیا گیا ۔ ان کے دس سالہ دور میں اخوان کی عوامی مقبولیت میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ۔ اگر مصر کے حالیہ انتخابات آزادانہ ہوتے تو غیر ملکی مبصرین کی رائے میں اخوان حکمران پارٹی کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آتے ۔ ہم حامد ابو النصرؒ کی کتاب وادی نیل کا قافلہ سخت جان (ترجمہ: حافظ محمد ادریس) سے ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں جس سے اس دور کی ایک جھلک سامنے آتی ہے جب ہزاروں اخوان 'کیا قائد اور کیا کارکن 'سب ہی راہ حق پر استقامت کی ایسی روشن مثال پیش کر رہے تھے جیسی چشم فلک نے اس صدی میں نہیں دیکھی تھی ۔ آج کے مصر میں بھی اخوان المسلمون ابتلا کے ہی ایک دور سے گزر رہے ہیں 'اس لیے کہ ملکی اور غیر ملکی طاقتیں انھیں ان کے حق حکمرانی سے محروم رکھنے کے لیے ہر تدبیر کر گزرنے کے لیے تیار ہیں ۔ (مدیر)

۲۵ نومبر ۱۹۵۴ بروز جمعرات شام سات بجے اچانک جیل وارڈن میرے پاس آیا اور مجھے داروغہ جیل کے دفتر میں لے گیا ۔ وہاں کئی افسران میرے منتظر بیٹھے تھے ۔ جناب عبدالرحمن صالح پراسیکیوٹر جنرل اور کئی دوسرے تفتیشی افسران میری تفتیش میں مصروف ہوگئے ۔ یہ تفتیشی نشست تقریباً بیس منٹ جاری رہی ۔ جانے سے پہلے تفتیشی افسر نے مجھ سے کہا " تمھارے خلاف کوئی خاص کیس نہیں ہے 'کیونکہ حالیہ حادثات میں تمھاری شرکت کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا ۔ البتہ یہ ذہن میں

رہے کہ اس معاملہ کا حتمی فیصلہ انقلابی کونسل کے ہاتھ میں ہے۔ اگر کونسل نے طے کر دیا کہ مکتب ارشاد (اعلیٰ اختیاراتی ادارہ) کے تمام ارکان پر مقدمہ چلا جائے تو تمھیں بھی عدالت میں پیش کر دیا جائے گا"۔

اتنی بات کہنے کے بعد تفتیشی افسر تھوڑی دیر خاموش رہا اور پھر مجھے مخاطب کرتے ہوئے اس نے ناصحانہ انداز میں کہا: "تمھیں بڑی آسانی سے رہائی مل سکتی ہے۔ تم بس اتنا لکھ دو کہ اس جماعت کے ساتھ تمھارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ کہ منشیہ کے حادثہ کا ذمہ دار حسن الہضیبی ہے"۔
میں نے اسے جواب دیا: "میں یہ جھوٹی بات کیسے کہہ سکتا ہوں؟ مجھے معلوم ہے کہ حسن الہضیبی اس ملک کا سب سے بڑا قانون دان ہے اور وہ کبھی کسی کو یہ مشورہ نہیں دیتا کہ قانون کو ہاتھ میں لے لیا جائے۔ رہا جماعت سے لاتعلقی کا معاملہ تو اس کے بارے میں، میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔ اپنے علاقے میں جماعت قائم کرنے کے لیے میں نے خود امام حسن البنا کو دعوت دی تھی۔ سطح مرتفع کے علاقے میں جماعت کا جتنا کام موجود ہے، اسے منظم کرنے میں میرا بہت بڑا حصہ ہے۔ میں اسے مروت اور مردانگی کے بھی خلاف سمجھتا ہوں کہ اس مشکل وقت میں جماعت کا ساتھ چھوڑ دوں"۔

افسر نے میری بات سن کر کہا: "معلوم ہوتا ہے تم بڑے شوریدہ سر ہو۔ لو یہ فرد جرم لے لو۔ تمھارا کیس ہفتے کے روز ۲۷ تاریخ کو سماعت کے لیے پیش ہو گا"۔

چند لمحے بعد ایک افسر کمرے میں داخل ہوا اور جیل افسر سے میرے بارے میں کہا "کہ اسے فوراً ہمارے حوالے کر دو"۔ میں اپنا بیگ لے کر آیا تو میرے ہاتھوں میں کڑیاں ڈال دی گئیں اور افسر مجھے جیل سے باہر لے گیا۔ جیل کے باہر دو مسلح سپاہی میرے انتظار میں تھے۔ قریب ہی ایک کار کھڑی تھی۔ مجھے کار میں بٹھا دیا گیا اور مسلح سپاہی میرے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ کچھ معلوم نہ تھا کہ اب ہماری منزل کہاں تھی۔ راستے میں، میں نے ایک سپاہی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ مجھے جنگی جیل خانے لے جا رہے ہیں۔ پھر دونوں سپاہیوں نے مجھ سے اظہار ہمدردی کیا۔ میرے لیے دعائیں مانگیں اور میری ہمت بندھائی۔ میں نے ان کے جذبات خیر خواہی پر شکریہ ادا کیا اور ان سے پوچھا کہ وہ اس گھبراہٹ کا اظہار کیوں کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا جس جیل میں آپ کو لے جا رہے ہیں وہ جہنم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے اور ظالموں سے آپ کو نجات دلائے۔ میں ان کی بات اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ نہایت مختصر الفاظ میں انھوں نے بہت کچھ بتا دیا تھا۔

۲۵ نومبر بروز جمعرات رات کے تقریباً نو بجے ہم جنگی قید خانے کے مین گیٹ پر پہنچ گئے۔ دروازے پر موجود محافظ سے ہمارے ساتھ آنے والے افسر نے بات چیت کی جس کی مجھے سمجھ نہ آئی۔ محافظ نے داروغہ جیل سے فون پر بات کی۔ میں نے محافظ کے یہ الفاظ سنے "ایک نظر بند دروازے پر موجود ہے اور اس کے ساتھ ایک افسر بھی موجود ہیں"۔ اس گفتگو کے بعد ہمیں جیل کے اندر جانے

دیا گیا۔ میرے کپڑوں کا بیگ ایک سپاہی نے لاکر دیا اور مجھے لانے والے افسر نے جیل حکام کے حوالے کر کے رسید لی۔ میری ہتھ کڑیاں کھولیں اور چلا گیا۔ جیل افسر نے مجھے گھور گھور کر دیکھا۔ پھر ایک مسلح سپاہی کو حکم دیا: "اسے بڑے جیل خانے میں لے جاؤ"۔ سپاہی نے مجھے حکم دیا: "چل بھئی!" اور ایک جانب اشارہ کیا۔ میں اس جانب چلنے لگا تو اس نے غلیظ گالی دے کر کہا اپنا بیگ بھی اٹھا لو۔ میں نے اپنا بیگ اٹھا کر کندھے پر رکھ لیا۔ سپاہی نے پیچھے پاؤں سے مجھے ٹھڈا مارا اور گالیاں دیتے ہوئے دہاڑا: "تیز تیز چلو"۔ جب میں تیز چلنے لگا تو اس نے پھر گالی دی اور کہا: "میں تمھارے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔ تم کہاں بھاگے جا رہے ہو"۔ ہر بات کے ساتھ وہ مغلظات بکنا ضروری سمجھتا تھا۔ دائیں طرف مڑو..... کے بیٹے۔ جب میں دائیں طرف مڑا تو پھر اس نے ایک گالی دی اور آگے بڑھ کر میری پیٹھ پر ٹھوکر ماری۔ پھر اس نے حکم دیا "رک جاؤ"۔ جب میں رکا تو اس نے بندوق کا بٹ میری پیٹھ میں مارا اور گالی دے کر کہا "فوجی طریقے سے ہالٹ کرو"۔ پھر وہ گننے لگا "ایک .... دو....." چنانچہ میں فوجی انداز میں کھڑا ہوا۔ اب اس نے دہاڑتے ہوئے کہا: "ڈبل مارچ"۔ ڈبل مارچ کرتے ہوئے بڑے جیل خانے کے دروازے پر پہنچا۔ پھر وہاں رکنے کا حکم دیا گیا جہاں دس کے قریب فوجی جوان منتظر تھے۔ انھوں نے میرے استقبال کی تیاری کر رکھی تھی۔ میں نے اپنے لباس کے اوپر عبا پہن رکھی تھی۔ وہ نوجوان مجھ پر پل پڑے۔ مکوں، گھونسوں اور لاتوں سے میری تواضع ہونے لگی۔ ساتھ ساتھ گالیوں کی بوچھاڑ بھی جاری تھی۔ ان میں سے ایک نے مقامی لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا "یہ ..... کا بیٹا اپنے ساتھ سوٹ کیس بھی لایا ہے۔ نواب صاحب چلا ہے لندن کی سیر کرنے"۔ یہ بات سن کر سب سپاہی قہقہے مارنے لگے۔ پے در پے ضربوں سے میری حالت غیر ہو گئی تھی۔ میں نے اپنا بیگ زمین پر رکھ دیا پانی کا ایک گھڑا سامنے رکھا تھا' کہا: "اسے اٹھاؤ"۔ وہ بھرا ہوا تھا۔ جب میں اسے نہ اٹھا سکا تو ایک دوسرے نے دہاڑتے ہوئے کہا: اگر تم اسے نہ اٹھا سکے تو اسے تمھارے اوپر انڈیل دیا جائے گا۔ اسی لمحے ایک آواز آئی' (اندر سے) کسی نے زور سے پکار کر کہا: "اسے اندر آنے دو۔ لاؤ لاؤ میرے پاس لاؤ"۔ جب میں وہاں پہنچا تو اس نے کہا "اھلا"۔ میں نے دل میں خیال کیا' شاید یہ میرے ساتھ اچھا سلوک کرے گا' لیکن میں جونہی اس کی طرف بڑھا' اس نے میری گدی پر ایک زور دار مکہ رسید کیا جس سے میری ٹوپی گر گئی۔ اس نے مجھے حکم دیا: "یہاں کھڑے رہو"۔ چنانچہ میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے دوسرا حکم دیا: "اپنے دونوں ہاتھ اپنے کولھوں پر رکھ لو"۔ میں نے دونوں ہاتھ اپنے کولھوں پر رکھ لیے۔ ساتھ کے کمرے سے کسی کی آواز آئی: "..... کے بچے کو میرے پاس لاؤ"۔ مجھے اس کمرے کی طرف لایا گیا اور دروازے پر پیچھے سے ایسا دھکا دیا گیا کہ میں گرتے گرتے بچا۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے کارندے نے مجھ سے پوچھنا شروع کیا: "..... کے بیٹے تمھارا نام کیا ہے؟ پھر ہر سوال کے ساتھ مجھے اسی خطاب سے نوازا جاتا رہا۔ تمھاری عمر کیا ہے؟ کس شہر کے رہنے

والے ہو؟ کیا کام کرتے ہو؟ تمہارا گھر کس سڑک پر ہے؟ میں سوالوں کے جواب دیتا رہا۔ اس عرصے میں میرے ننگے سر پر ایک سپاہی مسلسل کوڑے سے ضرب لگاتا رہا۔ اس ظلم و ستم اور مارپیٹ کی تکلیف کئی سالوں تک میں محسوس کرتا رہا۔ پھر ان لوگوں نے میرے بیگ کی تلاشی لی اور اس میں قرآن مجید اور امام غزالی کی "احیائے علوم الدین" کو دیکھا تو تمسخر کے انداز میں کہنے لگے: "یہ عالم بنتا ہے مگر ہے نرا جاہل"۔ پھر مجھے سیل میں بند کرنے کا حکم صادر ہوا۔ ایک فوجی جوان جیل کی تیسری منزل پر مجھے لے گیا اور چکی نمبر ۲۴۲ میں داخل کر دیا۔ اس چکی میں موجود سب لوگ گھبرائے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور خاموشی کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ جیلر نے ان سب کو گالی دے کر کہا "یہ تمہارے ساتھ رات رہے گا" اور مجھے کہا: "لے ..... کے بیٹے سمجھ گئے ہو"۔ پھر اس نے دروازہ بند کیا اور تالا لگا کر چلا گیا۔ چکی میں سات افراد موجود تھے اور وہ سب "امبابہ" کے اخوان تھے۔ انھوں نے میرے ساتھ پوری ہمدردی اور غمگساری کا مظاہرہ کیا اور میری حالت دیکھ کر سب غمزدہ ہوگئے۔ پھر مجھے تسلی دی اور حوصلہ دلانے لگے۔ انھوں نے اپنی آپ بیتی بھی سنائی۔ ان میں سے ہر ایک اس صورت حال سے دوچار ہو چکا تھا جس سے مجھے سابقہ پیش آیا تھا۔ مکتب ارشاد کے ارکان کو تو خاص طور پر ایسی ایذائیں پہنچائی جاتی تھیں جن کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ بعض لوگوں کو ستونوں اور کھمبوں کے ساتھ رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا جاتا تھا اور دردناک اذیتیں پہنچائی جاتی تھیں۔ بعض بے گناہوں کو ٹکٹکی سے باندھ کر مسلسل کوڑے برسائے جاتے تھے یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو جاتا تھا۔ کئی اخوانیوں کو یخ بستہ سرد راتوں میں بالکل ننگا کر کے ٹھنڈے پانی کے حوض میں پھینک کر ایذا دی جاتی تھی۔ چھت کے ساتھ الٹا لٹکا کر جسم کو ہر جانب سے بید اور کوڑے مارے جاتے تھے۔ بعض اوقات سر پر لوہے کا ہیٹ ڈال کر اسے خوب کسا جاتا تھا۔ پھر چھت سے لٹکا دیا جاتا تھا۔ جنگی قید خانے میں پہلی رات میں نے سخت درد اور اذیت میں گزاری۔ رات بھر ایک لمحے کے لیے بھی میری آنکھ نہ لگی۔ مارپٹائی سے جسم چور چور تھا اور موسم نہایت یخ بستہ۔ سردی سے دانت بج رہے تھے اور جسم کانپ رہا تھا۔ فرش نہایت ٹھنڈا تھا جس پر ایک کمبل بچھا دیا گیا تھا اور اوڑھنے کے لیے کوئی کپڑا نہیں تھا۔ رات کو اگر کسی کو قضائے حاجت کرنا ہوتی تو سیل کے ایک کونے میں پانی کا ایک برتن اور ایک لوٹا استعمال میں لایا جاتا۔ جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ پریشان کیا اور میرے دل کا رہا سہا قرار بھی چھین لیا وہ بے گناہ قیدیوں کی چیخ و پکار اور ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کا شور تھا۔ یہ کارروائی صبح تک جاری رہی۔ صبح کے وقت ہمیں سیل سے باہر نکلنے کا حکم دیا گیا اور جونہی ہم باہر نکلنے لگے ہماری پیٹھوں پر کوڑے برسنے لگے۔ اسی حالت میں ہمیں بیت الخلاء تک لے جایا گیا۔

۲۶ نومبر ۱۹۵۴ صبح سویرے تمام اخوانی نظربندوں کو ان کی چکیوں سے نکال کر کھلے میدان میں جمع کیا گیا۔ پھر ان کی مختلف ٹولیاں بنا دی گئیں۔ ہر ٹولی پر ایک سخت گیر فوجی کو نگراں بنایا گیا اور ان

سب کا نگران اعلیٰ بدنام زمانہ سنگ دل جلاد امین نامی کو مقرر کیا گیا۔ وہ ہمیں پریڈ کا حکم دیتا' پھر اچانک کہتا اکڑوں بیٹھ جاؤ۔ پھر تیزی سے اٹھک بیٹھک کرواتا۔ اگر کسی بھائی سے غلطی ہو جاتی یا حرکت کرنے میں ذرا تاخیر ہو جاتی تو اسے کوڑوں سے بری طرح پیٹا جاتا اور اس کے ساتھ ایسی فحش گالیاں دی جاتیں کہ جن کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے لیے سب سے زیادہ اذیت ناک بات یہ تھی کہ بعض نظر بند عمر رسیدہ تھے اور ان کے لیے یہ ابتلا سخت دشوار تھا۔ احکام پر عمل کرنے میں سستی کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ان بیچاروں کی چمڑی ادھیڑ دی جاتی اور ان کی کبر سنی کے باوجود ان پر سب و شتم کی انتہا کر دی جاتی۔ گالیاں دیتے ہوئے انھیں کہا جاتا..... کے بیٹے اٹھ تو دشمن کا ایجنٹ ہے۔ بس اب تیرا خاتمہ کر کے ہی دم لیں گے..... کبھی کہتے اے فلاں کے بچے تو وزیر بننا چاہتا ہے۔ یہ مشقت طلب پریڈ اور اذیت ناک معاملہ ہر روز دو تین گھنٹے جاری رہتا۔

محترم مرشد عام کو زرد رنگ کا لباس پہنایا جاتا تاکہ وہ سب کی آنکھوں کے سامنے نمایاں رہیں۔ بڑھاپے اور علالت کے باوجود انھیں بھی پریڈ میں شامل کیا جاتا۔ جب پریڈ ختم ہوتی تو ریڈیو لگا دیا جاتا جس کی آواز مائیکروفون کے ذریعے دور دور تک سنائی دیتی۔ اس وقت ریڈیو سے گلوکارہ ام کلثوم کا گانا نشر ہو رہا تھا: "یا جمال یا مثال الوطنیہ" یعنی اے جمال عبدالناصر' اے حب الوطنی کی زندہ مثال۔ یہ ناصر کی شان میں درباری شعرا میں سے ایک شاعر کا قصیدہ تھا۔ ہمارے زخموں پر نمک پاشی کرنے کے لیے ہمیں یہ سنایا جاتا۔ گانے کے دوران ہمیں حکم تھا کہ قطاروں میں کھڑے ہو جائیں اور بینڈ ماسٹر کے اشاروں کے مطابق اپنے ہاتھوں کو دائیں اور بائیں حرکت دیتے رہیں۔ جب ام کلثوم "یا جمال یا مثال الوطنیہ" گائے تو ہم سب بھی بلند آواز سے اس مصرعے کو دہرائیں۔ ان مناظر کی فلم بنائی جاتی اور جمال ناصر کو پیش کی جاتی۔ وہ اسے دیکھ کر لطف اندوز ہوتا۔ ہماری بیکی سے اسے بڑی لذت ملتی۔ وہ اپنے شیطانی نفس کا اطمینان اسی بات میں پاتا تھا کہ اس کے مخالفین ذلیل و خوار ہوتے رہیں۔

اخوان نے بے شمار مشکلات جھیلیں مگر اللہ کا شکر ہے کہ ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ عصر حاضر میں وادی نیل کے درندہ صفت حکمرانوں کے مظالم انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہیں۔ انسانی ضمیر ہر دور اور ہر معاشرے میں ایسے ننگ انسانیت ظالموں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تو رہا ہے مگر طاغوت کے سامنے سینہ سپر ہو جانے والے کم ہی لوگ ہوتے ہیں۔ اخوان پر مظالم کے متعلق آپ نے جو کچھ پڑھا۔ آپ نے اوپر کی سطور میں دیکھا ہے در اصل مظالم اس سے بھی کہیں زیادہ تھے۔ الفاظ اس روداد الم کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ مرشد عام اور ان کے ساتھی اگرچہ عصر حاضر کے فرعونوں کے سامنے مجبور ہو کر رہ گئے تھے مگر ان کے دل ایمان کی روشنی اور اسلام کی محبت سے مالا مال رہے۔

اخبارِ اُمّت

بوسنیا کی قتل گاہیں

نسلی صفائی کے نام پر بوسنیا کے مسلم علاقوں پر قبضہ کر کے آبادیوں کی آبادیوں کو تہ تیغ کرنے اور ناقابلِ بیان نت نئے مظالم کی خبریں تو برابر آتی رہی ہیں لیکن اب امن سمجھوتہ کے بعد سربوں کے مقبوضہ علاقوں میں بین الاقوامی اداروں کے پہنچنے کے بعد ان کے جو ناقابل تردید شواہد سامنے آرہے ہیں 'ان پر مغرب کا ضمیر بھی چیخ اٹھا ہے۔ جھوٹی یا سچی' یہ کوشش نظر آتی ہے کہ مجرموں کا تعین کر کے جنگی جرائم کے ٹریبونل سے سزا دلوائی جائے۔

برطانیہ کے اخبار دی ٹائمز کی نامہ نگار اسٹیسی سلیوان (Stacy Sullivan) نے قصبہ ولے سی نیکا (Valesenica) جاکر معلومات حاصل کیں۔ گزشتہ ساڑھے تین برس سے یہاں صحافیوں کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ جنگی جرائم ٹریبونل کا اندازہ ہے کہ یہاں کے کیمپ میں ۸ ہزار مسلمان تھے۔ آس پاس کی پہاڑیوں میں تین،اجتماعی قبروں کے آثار موجود ہیں۔ اور کچھ بچ جانے والے گواہی دینے کے لیے زندہ ہیں۔ جون اور اکتوبر ۱۹۹۲ کے درمیانی عرصہ میں اس مسلمان آبادی والے قصبہ سے مسلمانوں کا صفایا کر دیا گیا۔

یہ قصبہ سیبرنیکا سے ۲۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اپریل ۹۲ میں سرب افواج نے قبضہ کیا اور سب مسلمانوں کو شہر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ جو نہیں جاسکے انھیں قتل کر دیا گیا یا سوسیکا کیمپ لے جا کر تشدد کر کے مظالم ڈھاکے قتل کر دیا گیا۔ مہاجرین جو آس پاس کے علاقوں میں چھپے تھے ان تین مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں ٹرک بھر بھر کر لاشیں لائی گئیں اور اجتماعی قبروں میں دفن کر دی گئیں۔ کیمپ کمانڈر DRAGAN NIKOYIC جسے جنگی جرائم کا مجرم قرار دیا گیا ہے قصبہ میں آزادانہ گھومتا ہے۔

جون ۱۹۹۴ کی اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ میں ۱۸۷ اجتماعی قبروں کا تذکرہ ہے۔ کم سے کم ۲۰ مقامات پر ۵ سو سے زائد لاشیں دفن کی گئیں۔ یہ قبریں بوسنیا کے سرب مقبوضہ علاقوں کے مشرق اور مغرب میں واقع ہیں۔

دی سنڈے ٹائمز کے ۲۸ جنوری کے شمارے میں نامہ نگار جان سوین (Jon Swain) نے بوسنیا کی قتل گاہیں (BOSNIA: Killing Fields) کے عنوان سے بہت سے حقائق سے پردہ اٹھایا ہے ' نامہ نگار نے افریقہ اور ایشیا میں مختلف مقامات پر جنگوں اور نسل کشی کی رپورٹنگ کی ہے۔ وہ کہتا ہے: مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے لندن سے ڈھائی گھنٹے کے فاصلے پر قلب یورپ میں نازیوں کو مات کر دینے والے نسل کشی کے ہولناک مظالم کی رپورٹنگ کرنا پڑے گی۔

قتل عام اور اجتماعی قبروں کی گواہیاں قصبہ پریجیڈور (Prijedor) کے بارے میں بھی موجود ہیں۔ ہزاروں مسلمانوں کو منظم طریقے سے قتل کیا گیا۔ دریائے ILMOSKA کے پل کے قریب بسوں میں بھر بھر کر لوگ لائے گئے اور قطاروں میں کھڑا کر کے گولی مار دی گئی اور لاشیں ایک ہزار فٹ گہری گھاٹی میں گرا دی گئیں۔ ۲۱ اگست ۱۹۹۲ کو چھ بسوں میں لائے جانے والوں میں سے بچ جانے والے ۳ افراد یہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ یہاں کی اجتماعی قبر میں ایک اندازہ کے مطابق ۳ ہزار بے گناہ مسلمان مدفون ہیں۔ قصبہ کوزارک کی تباہی کی بھی ایک داستان ہے ' یہاں ۳ روز تک قتل عام ہوتا رہا ' ۲ ہزار دیہاتی نیست و نابود کر دیے گئے ' ۱۴ مسجدیں شہید کر دی گئیں۔

شمال مغربی بوسنیا کے علاقہ پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں کی مسلمان اور کروٹ آبادی کے لیے سرب فوج اور پولیس کی نگرانی میں تین کیمپ قائم کیے گئے۔ یہ در اصل موت کیمپ تھے۔ ان کیمپوں میں کل کے کل غیر سرب سیاسی ' مذہبی رہنما ' افسران ' تاجر اور پڑھے لکھے لوگ جمع کر کر کے قتل کیے جاتے رہے۔ ایک کیمپ کے چار کمروں میں مسلسل لوگ قتل کیے جاتے تھے۔ لاشوں کو باہر ڈال دیا جاتا تھا تاکہ سب دیکھیں۔ تین مہینے تک روزانہ ۱۰ سے ۲۰ افراد قتل کیے جاتے تھے۔ ایک گواہ کے مطابق اس کے ۳۷ دن کے قیام کے دوران میں ۱۳۰۰ سے ۱۴۰۰ افراد قتل کیے گئے۔ ایک موقع پر ایک بھرے ہوئے کمرے میں دو سرب گارڈوں نے گولی چلا دی اور درجنوں مارے گئے۔

بعض گواہوں کے بیان کے مطابق لاشیں لوکا سے Kagilerija لے جائی گئیں ' جہاں ان کو بھٹیوں میں ڈال دیا گیا تاکہ مویشیوں کے لیے چارہ تیار کیا جائے۔ ۴ بجے صبح سے ٹرکوں نے لاشیں لانے کا سلسلہ شروع کیا جو پورا دن جاری رہا۔ تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اجتماعی قبروں میں دفن کیا گیا۔

اور سب سے زیادہ سب کی آنکھوں کے بالکل سامنے ہونے والے ' بلکہ کروائے جانے والے قتل عام تو وہ ہیں جو اقوام متحدہ کی "محفوظ پناہ گاہ" سیبرنیکا پر سربوں کے قبضہ کے وقت ہوئے۔

یورپ میں ۱۹۴۵ کے بعد ایسے مظالم نہیں ہوئے تھے!

یہ اجتماعی قبریں ' یہ قتل عام ' یہ مظالم 'جس وقت کیے گئے اس وقت بھی خفیہ نہ تھے کہ اب خلائی تصویروں سے ان کا پتا چلے۔ لیکن اقوام متحدہ ' امریکہ اور مسلم ممالک 'کسی طرف سے بھی انہیں فی الواقع روکنے کے لیے کوئی اقدامات نہیں کیے گئے بلکہ یہ شہادتیں موجود ہیں کہ اقوام متحدہ کی فوج نے ان مظالم میں ساتھ دیا۔ سراجیو کے قریب ایک ہوٹل کو جسے بوسنیا کی حکومت عصمت دری کیمپ قرار دیتی ہے 'اقوام متحدہ کی سرپرستی حاصل رہی۔

اب سب کچھ کر گزرنے کے بعد ٹریبونل کے ذریعہ تحقیقات کی جارہی ہیں اور شہادتیں جمع کی جارہی ہیں۔ شاید مجرم ضمیر کو تسکین دینے کے لیے۔ اس نے ۵۲ افراد پر فرد جرم عائد کی ہے۔ اور بوسنیا کے دونوں سرب لیڈروں ' رادووان کرازوچ اور رینکو مالدک پر فرد جرم عائد کی ہے۔ ۵۲ میں سے صرف ایک ٹریبونل کی تحویل میں ہے۔ ڈیٹن سمجھوتہ کے تحت جنگی مجرموں کو حوالے کیے جانا ہے ' لیکن بوسنیا کی حکومت کے چند تحویل میں لینے پر جس طرح سربوں نے سارے رابطے ختم کر کے اپنے آدمی چھڑائے اس سے آیندہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

امتِ مسلمہ ایک جسد واحد ہے 'ایک عضو پر کیا کیا قیامت نہ گذر گئی ' لیکن چند دردمند آوازوں کے سوا جیسے ہر طرف سناٹا رہا۔ آج نئے شواہد آنے پر مغربی ذرائع کچھ حرکت دکھا رہے ہیں ' لیکن اسلامی ممالک نے ایک طرح سے اسے یورپ کا مسئلہ یا امریکہ کا دردِ سر قرار دے دیا ہے ' اور اپنے ہاتھ اٹھا لیے ہیں۔

اگر امتِ مسلمہ کو آیندہ صدی کو اپنی صدی بنانا ہے تو اسے اپنے خلاف کیے گئے اقدامات پر یک زبان ہو کر آواز اٹھانا ہوگی۔ بوسنیا مسلمانوں کے لیے ایک آزمایش تھا۔ اگر مسلمان حکومتیں درست اور برسرِحق پالیسی بے خوفی سے اختیار کرتیں تو امت مسلمہ کو نئی زندگی مل جاتی اور آیندہ مظالم کے دروازے بھی بند ہو جاتے۔ موجودہ صورت میں کیا شیشان 'کیا کشمیر 'روس اور بھارت سب کو اطمینان ہے کہ ہمارا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں ' مسلمان تو بالکل بھی نہیں۔

رسائل و مسائل

رشوت و خیانت کو حلال کرنے کے بہانے

سرکاری اہل کاروں کو جو نذرانے اور ہدیے اور تحفے ان کی طلب اور جبر و اکراہ کے بغیر کاروباری لوگ اپنی خوشی سے دیتے ہیں انھیں ملازمت پیشہ حضرات بالعموم جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ رشوت کی تعریف میں نہیں آتا اس لیے یہ حلال ہونا چاہیے۔ اسی طرح سرکاری ملازموں کے تصرف میں جو سرکاری مال ہوتا ہے اسے بھی اپنی ذاتی ضرورتوں میں استعمال کرنا یہ لوگ جائز سمجھتے ہیں۔ میں اپنے حلقہ ملاقات میں اس گروہ کے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں مگر میری باتوں سے ان کا اطمینان نہیں ہوتا۔

ایک شخص یا اشخاص سے دوسرے شخص یا اشخاص کی طرف مال کی ملکیت منتقل ہونے کی جائز صورتیں صرف چار ہیں۔ ایک یہ کہ ہبہ یا عطیہ ہو برضا و رغبت، دوسرے یہ کہ خرید و فروخت ہو آپس کی رضامندی سے، تیسرے یہ کہ خدمت کا معاوضہ ہو باہمی قرارداد سے، چوتھے یہ کہ میراث ہو جو ازروئے قانون ایک کو دوسرے سے پہنچے۔ ان کے ماسوا جتنی صورتیں انتقال ملکیت کی ہیں، سب حرام ہیں۔ اب دیکھنا چاہیے کہ جو روپیہ ایک افسر یا اہل کار کسی صاحب غرض سے لیتا ہے یا جو استفادہ وہ اس مال سے کرتا ہے جو دراصل پبلک کا مال ہے اور پبلک کاموں کے لیے اس کے تصرف میں دیا جاتا ہے اس کی حیثیت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ خرید و فروخت اور میراث کی تعریف میں تو آتا نہیں، پھر کیا وہ ہبہ یا عطیہ ہے؟ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک سوال کا جواب کافی ہے۔ کیا یہ ہبہ یا عطیہ ایک اہل کار کو اس صورت میں بھی ملتا جب کہ وہ اس منصب پر نہ ہوتا یا پنشن پر الگ ہو چکا ہوتا۔ اگر نہیں تو یہ عطیہ یا ہبہ نہیں ہے کیوں کہ یہ اس کے منصب کی وجہ سے اس کے پاس آرہا ہے، نہ کہ کسی ذاتی تعلق یا محبت یا ہمدردی کی بنا پر۔ اب کیا یہ ان خدمات کا معاوضہ ہے جو ایک اہل کار اپنے منصب کے سلسلہ میں انجام دیتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ درحقیقت معاوضہ بھی نہیں ہے۔ معاوضہ تو صرف وہ تنخواہ اور الاؤنس ہیں جو ملازم ہونے کی حیثیت سے آدمی کو ملتے ہیں۔ ان کے ماسوا جو کچھ ایک اہل کار اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے سلسلہ میں حاصل کرتا ہے وہ تو خیانت ہے جو پبلک فنڈ میں سے کی جاتی ہے، یا ناجائز خدمات کا معاوضہ ہے جو شرائط ملازمت کے خلاف عمل کرنے کے بدلہ میں آدمی کو ملتا ہے۔ یا

جائز خدمات کا ناجائز معاوضہ ہے کیونکہ شرائط ملازمت کے حدود میں رہتے ہوئے کام کرنے کا معاوضہ تو بشکل تنخواہ آدمی پہلے ہی لے چکا ہے اس پر پھر مزید معاوضہ حاصل کرنا صریح طور پر حرام خوری ہے۔ یہ تو تھی اصولی بحث ' اب دیکھیے کہ اس معاملہ میں شرعی احکام کیا ہیں۔

ابو حمید الساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرکاری ملازمین جو ہدیے وصول کرتے ہیں یہ خیانت ہے (مسند احمد)۔ انھی ابو حمید کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبیہ نامی ایک شخص کو قبیلہ ازد پر عامل بنا کر بھیجا۔ جب وہ وہاں سے سرکاری مال لے کر پلٹا تو بیت المال میں داخل کرتے وقت اس نے کہا کہ یہ تو ہے سرکاری مال اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے ایک خطبہ دیا اور اس میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا "میں تم میں سے ایک شخص کو اس حکومت کے کام میں جو اللہ نے میرے سپرد کی ہے عامل بنا کر بھیجتا ہوں تو وہ آکر مجھ سے کہتا ہے کہ یہ تو ہے سرکاری مال ' اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ لوگ اسے خود ہدیے دیتے ہیں تو کیوں نہ وہ اپنے ابا اور اپنی اماں کے گھر بیٹھا رہا کہ اس کے ہدیے اسے وہیں پہنچتے رہتے؟" (بخاری، مسلم، ابو داود)۔

بریدہؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا جس شخص کو ہم کسی سرکاری خدمت پر مقرر کریں اور اسے اس کام کی تنخواہ دیں وہ اگر اس تنخواہ کے بعد اور کچھ وصول کرے تو یہ خیانت ہے۔ رویفع بن ثابت لنصاریؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ یہ حرکت نہ کرے کہ مسلمانوں کے فے (یعنی پبلک کے مال) میں سے ایک جانور کی سواری لیتا رہے اور جب وہ بیکار ہو جائے تو اسے پھر سرکاری اصطبل میں داخل کر دے۔ اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کا یہ کام بھی نہیں ہے کہ مسلمانوں کے فے میں سے ایک کپڑا برتے اور جب وہ پرانا ہو جائے تو اسے واپس کر دے (ابو داؤد)۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی (ابو داود)۔

عدی بن عمیرۃ الکندیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا لوگو! جو شخص ہماری حکومت میں کسی خدمت پر مقرر کیا گیا اور اس نے ایک تاگا یا اس سے بھی حقیر تر کوئی چیز ہم سے چھپا کر استعمال کی تو یہ خیانت ہے جس کا بوجھ اٹھائے ہوئے وہ قیامت کے روز حاضر ہو گا (ابو داود)۔

یہ ہیں اس مسئلے میں نبیؐ کے ارشادات ' اور یہ اپنے مدعا میں اتنے واضح ہیں کہ ان پر کسی تشریح و توضیح کے اضافے کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ اپنی حرام خوری کے لیے طرح طرح کے حیلے اور بہانے پیش کرتے ہیں اور اُسے اپنی چال بازیوں کے ذریعہ حلال بنانے کی کوشش کرتے ہیں 'آپ ان سے

کہیے کہ اگر حرام کھاتے ہو تو کم از کم اسے حرام تو سمجھو، شاید کبھی اللہ اس سے بچنے کی توفیق دے دے۔ لیکن اگر حرام کو حلال بنا کر کھایا تو تمھارے ضمیر مردہ ہو جائیں گے، پھر کبھی حرام سے بچنے کی خواہش دل میں پیدا ہی نہ ہو سکے گی۔ اور جب خدا کے ہاں حساب دینے کھڑے ہو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت تمھارے بدلنے سے نہیں بدل سکتی۔ حرام حرام ہے، خواہ تم اسے حلال بنانے کی کتنی ہی کوشش کرو۔

پھر لوگوں سے کہیے کہ اگر خدا اور آخرت اور حساب اور جزا و سزا، یہ سب تمھارے نزدیک محض افسانہ ہی افسانہ ہے تب تو حرام و حلال کی بحث ہی فضول ہے۔ جانوروں کی طرح جس کھیت میں ہریالی نظر آئے اس میں گھس جاؤ، اور جائز و ناجائز کی بحث کے بغیر کھاؤ جتنا کھایا جا سکے۔ لیکن اگر تمھیں یقین ہے کہ اوپر کوئی خدا بھی ہے، اور کبھی اس کے سامنے جا کر حساب بھی دینا ہے، تو ذرا اس بات پر بھی غور کر لو کہ آخر یہ حرام کی کمائی کس کے لیے کرتے ہو؟ کیا اپنے جسم و جان کی پرورش کے لیے؟ مگر یہ جسم و جان تو اس خدمت پر تمھارے احسان مند نہ ہوں گے بلکہ تمھارے خلاف خدا کے ہاں الٹا استغاثہ کریں گے کہ تو نے ہمیں اس ظالم کی امانت میں دیا تھا اور اس نے ہمیں حرام کھلا کھلا کر پرورش کیا۔ پھر کیا بیوی بچوں کے لیے کرتے ہو؟ مگر یہ بھی قیامت کے روز تمھارے دشمن ہوں گے اور تم پر الٹا الزام رکھیں گے کہ یہ ظالم خود بھی بگڑا اور ہمیں بھی بگاڑ آیا۔ پھر آخر یہ عذاب الٰہی کے خطرے میں اپنے آپ کو کس لیے ڈال رہے ہو؟ ــــ کیا کبھی موت آنی ہی نہیں ہے؟ یا مرنے کے بعد کوئی جائے پناہ تجویز کر رکھی ہے جہاں خدا کی پکڑ سے بچ جانے کی امید ہے؟ **(سید ابوالاعلیٰ مودودی)**

بنکوں میں نفع و نقصان کا شراکتی کھاتہ

بنکوں میں نفع نقصان شراکتی کھاتہ میں جو رقوم رکھی جاتی ہیں ان پر نفع کے نام سے بنک جو رقم دیتے ہیں آیا وہ شریعت کی رو سے جائز ہے؟ میرے بعض تحریکی دوست اسے جائز سمجھتے ہیں مگر مجھے شرح صدر نہیں ہے۔ کیا شرعاً یہ کشمیری مجاہدین کو بھیجی جا سکتی ہے؟ کیا اس سے اپنے لیے لائبریری کے لیے دینی لٹریچر خریدا جا سکتا ہے؟ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے اس سے ٹرسٹ بنانا اور مدرسے کھولنا جائز ہے؟

نفع نقصان شراکتی کھاتہ میں سے یکم رمضان کو زکوٰۃ وضع کی جاتی ہے۔ کیا یہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

بنک میں نفع و نقصان میں شراکتی کھاتے کے نام سے جو کھاتہ جاری کیا گیا ہے وہ سود ہے اور اس سے حاصل کردہ منافع سودی منافع ہے۔ ایسے منافع کے مستحق فقرا و مساکین اور مفلوک الحال لوگ ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کے دوستوں کا نظریہ اور طرز عمل درست نہیں ہے۔ منافع کی یہ رقم جو نفع و نقصان شراکتی کھاتہ سے ملتی ہے، سودی ہے۔ اسے آپ مجاہدین کشمیر، یتیموں، بیواؤں اور بوسنیا کے مہاجرین و مجاہدین کی امداد میں دے سکتے ہیں، اپنے استعمال میں لانا کسی صورت میں بھی جائز نہیں

ہے ۔اس رقم سے کتابیں خریدنا' بچوں کی تعلیم و تربیت میں خرچ کرنا' مدرسے کھولنا جائز نہیں ہے ۔
بنک والوں کو زکوٰۃ کی کٹوتی کرانے کے مقابلہ میں خود زکوٰۃ ادا کرنا زیادہ بہتر ہے ۔ تاہم اگر حکومت زکوٰۃ کی کٹوتی کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۔ البتہ حکومت کو مجبور کریں کہ زکوٰۃ کی رقوم زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ کرے ۔ (عبدالمالک)

جوتوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھنا

سورۃ طٰہٰ کی آیت فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى کی تفسیر میں مولانا مودودی ؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ "کھلے میدان میں بھی جو لوگ نماز جنازہ پڑھتے وقت جوتے اتارنے پر اصرار کرتے ہیں وہ احکام شریعت سے ناواقف ہیں" اور اس حدیث پاک خالفوا الیھود و النصاریٰ کا حوالہ دیا ہے ۔سوال یہ ہے کہ اس میں حکم رسول ؐ کی نوعیت کیا ہے؟ فرض ہے ' واجب ہے ' مستحب ہے ' مباح ہے یا بالکل الٹا ممنوع ہے؟

مولانا مودودی ؒ کی یہ بات بالکل درست ہے کہ جوتے اتارنے پر اصرار کرنا احکام شریعت سے ناواقفیت پر مبنی ہے ۔صحیح بخاری میں ہے کہ سعید بن یزید ازدی ؒ نے انس بن مالک ؓ سے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں میں نماز پڑھتے تھے؟ فرمایا' ہاں!

آپ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ ابوداؤد میں شداد بن اوس ؓ کی روایت سے اس طرح آئی ہے: "یہود کی مخالفت کرو' یہ لوگ جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے"۔ امام طحاوی ؒ نے ۸ صحابہ ؓ سے جوتوں میں نماز پڑھنے کی روایات نقل کی ہیں (شرح معانی الآثار)۔

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جوتے اگر پاک ہوں' یا اگر خشک نجاست ہو تو زمین یا گھاس وغیرہ سے رگڑ کر پاک کر دیے گئے ہوں' تو ان میں نماز پڑھنا بالاتفاق جائز ہے ۔اگر لوگوں نے جوتے اتارنے کو لازم سمجھ لیا ہو' اور جوتے پہن کر نماز پڑھنے کو ناجائز سمجھنے لگے ہوں' تو انھیں زبانی طور پر سمجھانے کے ساتھ ساتھ' بعض اوقات جوتوں میں نماز جنازہ پڑھنا مستحب ہو جاتا ہے تاکہ لوگوں کے ذہنوں سے اس عمل کی کراہیت نکل جائے ۔ لیکن جوتے پہن کر نماز پڑھنا بذات خود کوئی عبادت نہیں ہے کہ اسے فرض یا واجب یا مستحب قرار دیا جائے ۔رسول اللہ ؐ نے جوتوں میں بھی نماز پڑھی ہے اور جوتے اتار کر بھی پڑھی ہے ۔ابوداؤد ہی کی دوسری حدیث میں آیا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ فرماتے ہیں: "میں نے رسول اللہ ؐ کو بغیر جوتوں کے نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھا ہے' اور جوتے پہن کر بھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے"۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: جوتوں کی ساتھ نماز پڑھنا یہود کی مخالفت کی نیت سے مستحب ہے ۔اس سے یہ حکم بھی معلوم ہوتا ہے کہ جوتوں کے ساتھ مسجد میں چلنا جائز ہے"

امام طحاویؒ فرماتے ہیں: ''جب مسجدوں میں جوتوں کے ساتھ داخل ہونا مکروہ نہیں ہے ' اور جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنا بھی مکروہ نہیں ہے ' تو قبروں کے درمیان جوتوں کے ساتھ چلنا بطریق اولی مکروہ نہیں ہے ۔ یہی قول ہے ابو حنیفہؒ ' ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا (شرح معانی الآثار)۔

یہ تو مسئلے کا اصولی جواب ہے لیکن آج کل لوگوں کے جوتے اکثر ناپاک یا مشکوک ہوتے ہیں ' اور صفائی کا اہتمام بھی لوگ بالعموم نہیں کرتے ' اس لیے جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنے میں پوری احتیاط سے کام لیا جائے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ناپاک جوتوں میں نماز پڑھ لی جائے اور فرض ذمے رہ جائے ۔

اسی طرح آج کل مسجدیں بالعموم مفروش ہوتی ہیں ' جن پر جوتوں کی پاک گرد و غبار بھی اگر پڑ جائے تو بدنما نظر آتی ہے ۔ ایسی مسجدوں میں گرد آلود جوتوں کے ساتھ داخل ہونا مناسب معلوم نہیں ہوتا ۔ لیکن کھلے میدانوں میں بھی جوتے اتارنے کو لازمی عادت بنانا اور پاک جوتوں میں نماز پڑھنے والوں پر اعتراض کرنا بے جا تشدد ہے (گوہر رحمان)۔

فروعات کا مقام

بعض ارکان جماعت کا عمل ' ظاہری جزئیات مثلاً بال بنوانے میں معروف دینی روایت کے خلاف ہے ۔ ان میں سے بعض جماعت کے نمایاں عہدوں پر ممتاز ہیں اور اہمیت رکھنے والی ذمہ داریوں کے متحمل ہیں ۔ عوام اور دین دار طبقہ سے ان کا میل جول زیادہ ہے ۔ ان حالات کی روشنی میں سوال یہ ہے کہ دین کو تمام گوشوں سمیت دنیا پر مسلط کرنے کی جدوجہد کرنے والے افراد ہر گوشہ زندگی میں کیوں دین قائم نہیں کرتے ؟

ہم اپنی جماعت کے ارکان کو صرف منصوص احکام کی پیروی کا پابند کر سکتے ہیں ' کسی مخصوص استنباط کی پیروی کا پابند نہیں کر سکتے ۔ جس طرز مثلاً جس قسم کے بالوں کو آپ ناجائز کہہ رہے ہیں ' اگر ان کے ناجائز ہونے پر آپ کے پاس کوئی نص ہو تو وہ ضرور میرے علم میں لائیں ۔ میں اس کے اتباع کا حکم دوں گا ۔ لیکن اگر اس عدم جواز کو آپ نے کسی نص سے مستنبط کیا ہے تو اپنے استنباط کی پیروی کرنا آپ ہی پر لازم ہے یا پھر اس پر جو آپ کے استنباط کو صحیح مان لے ۔ دوسرا شخص جو اس نص کے معنی آپ کے لیے ہوئے معنی سے مختلف سمجھتا ہو اور اپنے پاس اس کے لیے دلیل رکھتا ہو ' اسے نہ آپ خود مطعون کرنے کا حق رکھتے ہیں اور نہ مجھ سے یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ میں آپ کے استنباط کو ایک قانون کی حیثیت سے جماعت میں نافذ کروں ۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ جن جزوی مسائل میں ایک سے زیادہ مسلک ہونے کی خود شریعت میں گنجائش موجود ہے ' ان کے بارے میں تشدد اور تنگ نظری برتنے کے نتائج اس امت کے حق میں بہت برے نکل چکے ہیں ۔ اب آخر کب تک یہ سلسلہ جاری رکھا جائے گا؟'' (س ۔ ا ۔ م)۔

علاقائی اور صوبائی حقوق اور اسلامی احکام

کیا قرآن مجید ' حدیث نبوی 'سنت خلفاء راشدین یا فقہا کی آرا کی روشنی میں ایک اسلامی مملکت کے مختلف علاقوں (صوبوں) میں رہنے والوں کو دوسرے علاقوں میں رہنے والوں کے علاقائی حقوق و مفادات میں برابر کا شریک قرار دیا گیا ہے؟ یا ان مختلف علاقوں کے علاقائی معاشی مفادات اور استحقاق حصول ملکیت و ملازمت کو اس خاص علاقہ کے باشندوں تک محدود رکھا گیا ہے؟

کیا اسلامی نظریہ مساوات کے مطابق ایسی یکساں استحقاق کی پالیسی بنانا شرعی امر ہے۔ حق شفعہ کے شرعی قانون اور عراق کی مفتوحہ اراضی کے بارے میں حضرت عمرؓ کے فیصلے کی حکمت عملی کیا ہے؟ جب ایک اسلامی مملکت کے خلاف زہر اگلا جا رہا ہو اور علاقائی قوم پرستی کو ہوا دی جا رہی ہو تو اس وقت کون سی شرعی حکمت عملی اختیار کی جائے جو حق و انصاف کے قریب ہو۔

۱۔ امت مسلمہ کی اساس جس پر اتحاد امت اور اسلامی قومیت کا دارومدار ہے ' عقیدۂ توحید اور ایمان ہے۔ معاشی حقوق و مفادات ' علاقائی و جغرافیائی حدود اور نسلی و لسانی امتیازات کی بنیاد پر تعصبات کی آگ بھڑکانا اور اتحاد و امت و اسلامی اخوت کو پارہ پارہ کرنا دور جاہلیت کو از سرنو زندہ کرنا ہے۔

۲۔ اسلامی ریاست کو انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مختلف انتظامی یونٹوں ' صوبوں ' ضلعوں اور علاقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ تقسیم اتحاد امت کے خلاف نہیں ہے بشرطیکہ اس تقسیم کو عصبیتوں اور علاقائی قومیتوں کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ جسد واحد کے اعضا کی طرح باہمی تعاون کی فضا قائم ہو اور صوبے ایک دوسرے کو گرانے کی بجائے سب مل کر ایک دوسرے کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہوں۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ قبائل میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر ایک کا اپنا نقیب تھا جو اپنے قبیلے کی نمایندگی کرتا تھا ' بیعت عقبہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ کے لیے بارہ نقیب منتخب کروائے تھے۔ دور نبویؐ اور دور خلافت راشدہؓ میں اسلامی ریاست کے مختلف انتظامی صوبے یا علاقے تھے جن کے حکام اپنے علاقوں کا نظم چلاتے تھے۔

۳۔ ہر صوبے کی آمدن کو اسی صوبے کی ضروریات اور ترقی پر خرچ ہونا چاہیے۔ زکوٰۃ تو ٹیکس نہیں ہے بلکہ عبادت ہے لیکن اس میں بھی یہی اصول اختیار کیا گیا ہے کہ ہر علاقے کے اغنیا سے زکوٰۃ وصول کر کے اسی علاقے کے فقرا پر تقسیم کی جائے الا یہ کہ کسی دوسرے علاقے کے رہنے والوں کو شدید ضرورت اور پریشانی لاحق ہو جائے تو بقدر ضرورت اس علاقے پر دوسرے علاقے کی زکوٰۃ صرف ہو سکتی ہے۔ اسی پر ٹیکس اور دوسری صوبائی و علاقائی آمدنیوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ حق شفعہ بھی اس کی نظیر بن سکتی ہے کہ فروخت شدہ زمین ' مکان اور کارخانے کے پڑوسی یا حصہ دار

کا حق شفعہ شریعت نے تسلیم کیا ہے۔ ہمسائے کے حقوق کے بارے میں بھی شریعت کا اصول یہ ہے کہ جس کا دروازہ آپ کے دروازے کے قریب ہو اس کا حق دور کے ہمسائے سے زیادہ ہے۔ اس اصول کی روشنی میں قانون یہ بنانا چاہیے کہ ہر صوبے کی غیر آباد زمینیں آباد کرنے کے لیے یا آباد سرکاری زمینیں (بامعاوضہ یا بلامعاوضہ) اسی صوبے کے بے زمین کاشتکاروں کو دی جائیں گی۔

البتہ اگر کسی نے سرکاری زمینوں پر قبضہ کر کے غیر آباد چھوڑ دیا ہو تو مناسب مہلت کے بعد اس سے واپس لے کر دوسرے ایسے کاشتکاروں کو دی جانی چاہیں جو ان زمینوں کو آباد کر سکتے ہوں اگرچہ وہ دوسرے صوبے کے رہنے والے ہوں۔ اگر سرکاری زمینیں کسی قومی یا دینی خدمت کے صلے میں انعام کے طور پر دی جائیں تو پھر بھی مستحقین انعام میں سے مقامی مستحقین کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ عراق کی زمینوں کو حضرت عمرؓ نے مجاہدین میں اسی لیے تقسیم نہیں کیا تھا کہ چند خاندان اور عرب کے باشندوں میں دولت اور جائیداد کا ارتکاز نہ ہو سکے اور دولت چند خاندانوں اور مخصوص علاقے کے لوگوں ہی میں گردش کرتی نہ رہے۔

۳۔ اگر ایک صوبے کی آمدن اور وسائل دوسرے صوبے سے زیادہ ہوں، اور دوسرے صوبے کے لوگ سخت معاشی پریشانی کا شکار ہوں تو ایسی صورت میں مالدار صوبے کی آمدن کا کچھ حصہ نادار صوبے یا علاقے کی کفالت پر خرچ کیا جا سکتا ہے، بلکہ ایسا کرنا ضروری ہو جاتا ہے خواہ زکوٰۃ و عشر اور صدقات واجبہ ہوں یا ٹیکس اور دوسرے ذرائع کی آمدن ہو۔

۴۔ علاقائی عصبیتوں کے انسداد کے لیے وہی حکمت عملی اختیار کی جائے جو نمبر ۲ میں بیان کر دی گئی ہے کہ غیر آباد اور سرکاری زمینوں کو اسی علاقے کے نادار لوگوں اور بے زمین کاشتکاروں میں تقسیم کیا جائے جس علاقے میں ایسی زمینیں واقع ہوں۔ غیر شرعی جاگیروں اور سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کیا جائے تاکہ دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو سکے بلکہ اس سے عوام بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ مالدار اور نسبتاً ترقی یافتہ صوبے کی آمدن کا کچھ حصہ غریب اور غیر ترقی یافتہ صوبے کی ترقی پر خرچ کیا جائے۔ یہ اور اس قسم کی دوسری وہ تدابیر اختیار کی جائیں جن کی وجہ سے معاشی، معاشرتی اور سیاسی احساس محرومی اور عدم تحفظ کا ازالہ ہو سکے۔ ان تدابیر کے ساتھ ذرائع ابلاغ اور تعلیمی نصاب کے ذریعے اسلامی قومیت کی اشاعت کی جائے اور نسلی، لسانی اور علاقائی عصبیتوں کا سختی کے ساتھ سدباب کیا جائے۔ جو عناصر لادینیت کے علمبردار ہیں اور اسلامی قومیت کی بجائے نسلی و لسانی قومیتوں کے پرستار ہیں وہ تو شاید ان تدابیر سے بھی مطمئن نہ ہو سکیں اور اپنے شیطانی حربوں سے باز نہ آئیں لیکن اگر عوام کو معاشی، سماجی اور سیاسی تحفظ کا یقین ہو جائے تو وہ ان لادین عناصر کے فریب میں نہیں آئیں گے۔

۵۔ ملازمتوں کے بارے میں تو اسلام کا اصول یہ ہے کہ مناصب اور ذمہ داریاں اہلیت کی بنیاد

پر دی جائیں نہ کہ آبادی کے تناسب سے اور کوٹہ سسٹم کی بنیاد پر ' البتہ اہلیت رکھنے والے علاقائی مستحقین کو لازماً ترجیح دی جانی چاہیے۔ جن علاقوں میں تعلیم کی کمی ہے ان میں تعلیمی ادارے کھولنے اور تعلیمی سہولتیں فراہم کرنے پر خصوصی توجہ دی جائے تاکہ آبادی کے تناسب سے تعلیمی اہلیت کا تناسب بھی برقرار رہے۔ لیکن اہلیت کے بغیر محض آبادی کے تناسب کے اعتبار سے نااہلوں کو ملازمتیں دینا کوئی مفید اور دانش مندانہ کام نہیں ہے (گوھر رحمٰن)۔

کتاب نما

Prophet Muhammad and his Western Critics، ظفرعلی قریشی۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۱۱۰۲، (دو جلدوں میں)۔ قیمت: ۵۰۰ روپے۔

جیسا کہ کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے جناب ظفرعلی قریشی نے آنحضورؐ کی ذات گرامی پر مغربی مصنفین کی تنقید، اعتراضات اور متعصبانہ نکتہ چینیوں کو موضوع بحث بنایا ہے۔ آنحضورؐ کی دل نواز اور من موہنی شخصیت اور آپؐ کی پاکیزہ تعلیمات نے ایک عالم کو اپنا گرویدہ بنالیا، اور مسلمان دیکھتے ہی دیکھتے آدھی دنیا پر چھا گئے۔ اس پر یہودیوں اور ان سے بھی زیادہ عیسائیوں نے آنحضورؐ اور اسلام کو اپنا حریف جانا اور اس کے توڑ کے لیے طرح طرح کے حربے اختیار کیے۔ آپؐ کی بے داغ شخصیت کو داغ دار بنانے کے لیے بے جا اعتراض، افترا، اتہام اور بہتان تراشے گئے۔ اس ''کارخیر'' کا علَم اٹھانے والوں میں مستشرقین پیش پیش تھے جو ''معروضیت'' اور علمی ''غیر جانبداری'' کے مدعی ہیں۔ ان لوگوں نے آپؐ کے کردار میں کیڑے نکال نکال کر، آپؐ کے کارناموں کو کم تر بتاکر اور عالم انسانیت کے لیے آپؐ کی اہمیت کو گھٹا گھٹا کر پیش کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا--- مگر یہ ایک لمبی کہانی ہے۔

ایام قدیم میں تو یہودی اور عیسائی علما کی معاندانہ تنقید کا ایک سبب، ممکن ہے، ان کی کم علمی ہو، یا مذہبی تعصب یا نسلی منافرت مگر دور حاضر کے دانش ور مستشرقین نے تو حقائق کو دانستہ توڑ موڑ کر پیش کرنے میں بڑی دیدہ دلیری دکھائی ہے۔ آنحضورؐ اور اسلام کے خلاف قرطاس وقلم کی اس صلیبی جنگ میں انگریزوں کے علاوہ جرمن، اطالوی، فرانسیسی، ولندیزی بلکہ اب ڈنمارک، سویڈن، اور بلجیم کے بعض اہل قلم بھی شامل ہوگئے ہیں۔ ان سب نے ''علمی تحقیق'' اور ''مطالعہ حقائق'' کے نام پر مختلف زاویوں سے اسلام اور پیغمبرؐ اسلام پر رکیک حملے کیے ہیں۔ حال کے مستشرقین میں پادری، ڈاکٹر منٹگمری واٹ ان لوگوں میں بہت نمایاں حیثیت رکھتے ہیں (وہ انجمن برطانوی مستشرقین کے صدر بھی تھے)۔ بقول ظفرعلی قریشی: انھوں نے آنحضورؐ کی انتہائی مسخ شدہ تصویر (highly distorted picture) پیش کی ہے۔ دو جلدوں میں ان کی تحریر کردہ سوانح محمدؐ (Muhammad at Mecca/ Madina) کو مغرب میں اس موضوع پر ایک مستند کتاب سمجھا جاتا ہے۔ یہ کئی بار انگریزی میں چھپی

(۲ بار پاکستان میں بھی) اور اس کے ترجمے فرانسیسی، ہسپانوی، جاپانی، عربی اور ترکی زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس ایک کتاب نے اسلام اور آنحضورؐ کے خلاف تعصب، نفرت اور دشمنی کا کتنا زہر پھیلایا۔

مغرب کے متعصبانہ الزامات اور معاندانہ کذب و افترا کے جواب میں ضرورت تھی کہ منظم منصوبہ بندی کے تحت ماہر علما کی ایک جماعت اس کام کو انجام دیتی، مگر افسوس ہے کہ ایسا نہ ہو سکا۔ جناب ظفر علی قریشی نے کئی برس پہلے اس کام کو مسلم دنیا کی ایک انتہائی اہم علمی ضرورت سمجھتے ہوئے آغاز کیا تھا، اور اب اس کا ایک حصہ مطبوعہ صورت میں سامنے آیا ہے۔ اسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اس کا اصل محرک ان کا جذبہ ایمانی ہے۔ وہ عمر بھر علوم اسلامیہ اور تاریخ اسلام کی تدریس سے وابستہ رہے۔ عربی اور انگریزی ماخذ سے براہ راست استفادے نے ان کی کاوش کو زیادہ مستند بنا دیا ہے۔ آخر میں دی گئی فہرست ماخذ (عربی: ۵۵، دیگر زبانیں: ۵۳۹) سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کام میں ایک عمر صرف کی ہے، (باوجودیکہ ان کے حالات نامساعد رہے)۔

جناب قریشی نے یوں تو سبھی متعصب مستشرقین کی الزام تراشیوں کو حقائق کا آئینہ دکھایا ہے، مگر منٹگمری واٹ کے تعصب، عناد اور بے انصافیوں کی خصوصیت سے تردید کی ہے۔ اس تردید میں انھوں نے واٹ صاحب کی ناکافی معلومات، ابہام اور علمی بد دیانتیوں کی طرف بھی اشارے کیے ہیں۔ اس سلسلے میں مصنف نے مستشرقین ہی کے بعض شواہد پیش کیے ہیں۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی نے زیر نظر کتاب کے مقدمے میں فاضل مصنف کی برس ہا برس کی محنت شاقہ کی تحسین کی ہے اور ان کی "علمی تحقیق کے جدید انداز و اطوار کی پاسداری" کو سراہا ہے۔

تیرہ ابواب پر مشتمل زیر نظر کتاب جناب قریشی کے ایک لمبے منصوبے کا ایک حصہ ہے۔ وہ اس پر مزید کام کرنا چاہتے ہیں (بیسیوں، بلکہ سیکڑوں مستشرقین کا جواب لکھنا، تن تنہا ایک سکالر کے لیے جان جوکھم کا کام ہے، مگر ظفر علی قریشی اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اس کے لیے تیار و مستعد ہیں، کاش انھیں کوئی معاون یا سرپرست مل جائے ---!)۔

کتاب آرٹ پیپر پر عمدہ معیار طباعت کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ اطمینان بخش، بلکہ قابل تعریف بات یہ ہے کہ دوسری جلد کے آخر میں (دونوں جلدوں کا) ایک مفصل اشاریہ شامل ہے (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)۔

جہانگیری قرآنی اشاریہ، مرتبہ: سرور حسین خاں قادری جہانگیری۔ ناشر: تعلیمات قرآن، آر ۷ ۱۰۴، سیکٹر ۱۶، اے بفرزون، نارتھ کراچی، صفحات: ۱۴۷۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

زیرنظر اشاریہ جناب مولف کے ذاتی ذوق و شوق، اور اس بنیاد پر ان کی گیارہ برس کی محنت شاقہ کا ماحصل ہے۔ اردو اور عربی زبان میں قرآنی اشاریوں سے استفادہ کرتے ہوئے اور اردو تراجم قرآن سے مدد لے کر انھوں نے قرآن حکیم کے اردو ترجمے میں مستعمل الفاظ و حروف کا اشاریہ تیار کیا ہے۔ الفاظ و حروف کی ترتیب الف بائی ہے۔ اگر قرآن حکیم کے کسی لفظ کا ترجمہ تین مختلف مترجمین نے الگ الگ کیا ہے تو اس لفظ کا حوالہ اردو کے تینوں مترادفات کے ضمن میں دیا ہے، مثلاً ''اکواب'' کا ترجمہ، مختلف مترجمین نے آب خورے، کوزے، پیالے کیا ہے۔ اشاریے میں تینوں جگہ اس کا حوالہ دیا گیا ہے اور ہر جگہ دوسرے لفظ کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

عربی میں قرآن حکیم کے لفظی اشاریوں کی افادیت تو یہ ہے کہ ان کی مدد سے کسی خاص لفظ کے ذریعے آیات کی تلاش میں مدد ملتی ہے، مگر اردو میں اس طرح کی مشق کی افادیت محل نظر ہے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ سرور حسین خاں صاحب نے اسمائے معرفہ کو اشاریے میں شامل نہیں کیا (کیا وہ ''الفاظ'' نہیں ہیں؟) پاس، کیا، سے، زمین، سوا، شاید، صبح، ظاہر، کوشش، نہیں جیسے الفاظ و حروف قرآن حکیم میں سیکڑوں مرتبہ آئے ہیں۔ ان کے حوالوں سے تحقیق کاروں کو استفادے کی کیا ضرورت درپیش ہوگی؟ ہم اسے نہیں سمجھ سکے۔ بنابریں زیرنظر اشاریے کی ترتیب میں فاضل مرتب کی محنت و تدقیق بجا، (اور انھیں اس کا اجر بھی ملے گا) مگر ہماری نظر میں اس کی علمی افادیت بہ غایت محدود ہے (ر-ہ)۔

فکر اسلامی، صفحات: ۲۱۴۔ قیمت: ۱۱۰ روپے۔ **عصریات**، صفحات: ۲۵۵۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔ **اسلوب سیاست**، صفحات: ۲۱۶۔ قیمت: ۱۱۰ روپے۔ مصنف: صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی، ناشر: اتحاد فاؤنڈیشن، ۹۴ کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور۔

دینی، سیاسی اور صحافتی حلقوں میں صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ ان کے مضامین کے تین مجموعے پیش نظر ہیں۔ ان میں شامل بیشتر مضامین، اخبارات و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں (بہتر ہوتا ہر مضمون کے آخر میں اس کی تاریخ اشاعت بھی لکھ دی جاتی تاکہ اس کا سیاق و سباق زیادہ واضح ہو جاتا)۔

بعض مضامین کا تعلق اصولی، دینی اور فکری موضوعات سے ہے مگر زیادہ تر بحث عصری، قومی، سیاسی اور ایک حد تک عالمی مسائل سے متعلق ہے۔ کچھ تحریریں جوابی ہیں جن میں ایک حد تک ردعمل

کی تلخ نوائی محسوس ہوتی ہے۔ ماحول اور معاشرے میں ایک مثبت تبدیلی کی شدید خواہش رکھنے والے گیلانی صاحب نے معاشرے کے تضادات، منافقانہ رویوں اور ظاہر پرستی پر تنقید کی ہے۔ اگرچہ وہ ایک دینی سکالر ہیں مگر عصری سیاست کے نشیب و فراز اور عالمی طاقتوں کی چالبازیوں اور ریاکاریوں پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کی سوچ معتدل اور فکر متوازن ہے اور وہ فقہی و کلامی موشگافیوں سے قطع نظر بالعموم مسائل کے عملی اور واقعاتی پہلوؤں سے بحث کرتے ہیں۔ ان کتابوں کے مباحث کا دائرہ خاصا متنوع اور پھیلا ہوا ہے: اولوالامر کی اطاعت، ملکیت کا تصور، حجاب کی حدود، جرائم، سیاست دانوں کی بدعنوانیاں، نفاذ شریعت، صوفیا کی ترجیحات، وطن عزیز میں اسلام کی نو بہ نو تعبیریں، ملت اسلامیہ کے بعض مسائل: افغانستان، بوسنیا، ایران، کشمیر، مغرب کا منافقانہ طرز عمل، امریکی ورلڈ آرڈر، غرض زیر نظر تین کتابوں میں موضوعات کا ایک نگارخانہ سجا ہے۔

گیلانی صاحب لگی لپٹی رکھے بغیر پوری بے باکی سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی بہت سی باتیں سنجیدہ غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔ ان کی بعض آرا سے اختلاف کے پہلو بھی نکلتے ہیں، جیسے اسلام میں حدود، حجاب یا تصور ملکیت وغیرہ، تاہم وہ کسی ایک موقف کو قطعی نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک بہت سے مسائل مزید غور و فکر کے طالب ہیں۔ بہت سے افراد بھی زیر تنقید آئے ہیں، مثلاً: نواز شریف دور حکومت کے وزیر ثقافت شیخ رشید احمد (جو ایک زمانے میں مائیکل جیکسن اور میڈونا کو پاکستان بلانے کے لیے بے تاب تھے) یا عبداللہ ملک جیسے ترقی پسند دانش ور، یا ڈاکٹر جاوید اقبال جیسے لبرل مصنف۔ اسی طرح نام نہاد روشن خیال مجددین، مادر پدر آزاد خیالی کے علمبردار، مفاد پرست مولوی اور جاگیردار سیاست دان وغیرہ بجا طور پر ان کی تنقید کا نشانہ بنے ہیں۔ ملک و ملت کے معاملات سے گیلانی صاحب کی گہری دلچسپی اور دردمندی، ایک رواں دواں اور بے ساختہ اسلوب میں ڈھل کر دعوت فکر دیتی ہے اور کہیں کہیں ہلکی سی خطابت کا رنگ بھی دکھاتی ہے۔ کئی جگہ انھوں نے پتے کی باتیں کی ہیں، جیسے بسنت کے حوالے سے: "قومیں جب آزمایش کے مرحلے میں ہوں تو اس وقت تفریح منانے کی نہیں، اپنی تاریخ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے"۔ (عصریات، ص ۲۱۲)۔ ایک جگہ پاکستانی سیاست کے حوالے سے لکھتے ہیں: "یہ عجیب بات ہے کہ بے دست و پا عوام امریکہ مردہ باد کے نام سے سیمینار منعقد کرتے ہیں مگر بااختیار حکمران امریکی سفیر کے سامنے دست بستہ نظر آتے ہیں اور ایک سفیر کو وہ پروٹوکول دیتے ہیں جو خود انھیں اس سفیر کے ملک میں بطور چیف ایگزیکٹو نصیب نہیں ہوتا" (اسلوب سیاست، ص ۲۳۳)۔ ایک مضمون میں داتا دربار مسجد کے میناروں پر سونے کے پتر چڑھانے پر تنقید کی ہے کہ مسجد کی شان و شوکت سنگ و خشت سے نہیں، نمازیوں کی تعداد اور عبادت گزاروں کے تزکیہ نفس سے بڑھتی ہے۔ آنحضورؐ نے مدینہ منورہ کی کچی مسجد میں کھجور کی چھال پر بیٹھ

کر ' عالمی اسلامی انقلاب کی قیادت کی ہے ۔ ہمارے ہاں عمارات جتنی بلند بنتی جا رہی ہیں ' انسان اتنے پست ہوتے جا رہے ہیں ۔ (عصریات ' ص ۲۰۳)۔

امید ہے یہ مختصر مگر موثر مضامین قارئین میں ایک مثبت سوچ اور تعمیری جذبہ پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوں گے (ر - ہ)۔

منزل مراد از ' آباد شاہ پوری ۔ ناشر: بک پروموٹرز ' مرکز ایف سیون ' اسلام آباد ۔ صفحات : ۱۹۲ ۔ قیمت : درج نہیں ۔

تحریک پاکستان پر انگریزی اور اردو میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ بالعموم وہ جدوجہد کی جیتی جاگتی داستان کے بجائے مسلم لیگ اور کانگریس کی قرار دادوں اور ان پر برطانوی حکومت کے ردعمل کی روداد کی شکل اختیار کر لیتی ہے ۔ منزل مراد تحریک پاکستان کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اس میں مصنف نے اہم سنگ ہائے میل کو مرحلہ وار اس طرح بیان کیا ہے کہ مسافر منزل تک پہنچتے پہنچتے اپنی منزل کے شعور ہی سے نہیں ' بلکہ اس کے لیے ایک احساس اور جذبے سے بھی مالا مال ہو جاتا ہے ۔ آباد شاہ پوری قلم و بیان پر اپنی قدرت کو کام میں لاتے ہوئے مئی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں کہ مسافر پہلے قدم ہی سے ان کے ساتھ ہو جاتا ہے اور وہ اسے تقسیم بنگال ' تحریک خلافت ' صوبائی کانگریسی حکومتوں اور جنگ عظیم میں جاپانیوں کی آمد کے امکانات سے گزارتے ہوئے ۱۴ اگست ۴۷ تک لے آتے ہیں ۔ مصنف کے اپنے الفاظ میں: "زیر نظر کتاب میں مسلمانوں کی صدی سوا صدی کی اس جدوجہد کی تاریخ سامنے آگئی ہے جو انھوں نے برصغیر کے اندر اپنے جداگانہ تہذیبی تشخص اور ملک کی سیاسی زندگی میں اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے کی اور جب وہ اپنی ہم وطن ہندو قوم کی اکثریت کے تعصب ' تنگ دلی ' عداوت اور مسلم دشمن ذہنیت کے آگے بے بس ہوتے چلے گئے تو انھوں نے ایک آزاد وطن حاصل کرنے کو اپنی جدوجہد کا مقصود و مطلوب بنا لیا ۔ ایسا آزاد وطن جس میں اسلامی نظریہ حیات کے مطابق اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی بسر کر سکیں"۔

ایسی کتنی ہی کتابوں کے بارے میں دل چاہتا ہے کہ ہر پاکستانی نوجوان اسے ضرور پڑھ لے لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ایک تو شرح خواندگی بے حد کم ہے (تعلیم پر سرکاری وسائل کا شاید ۲ فی صد سے بھی کم خرچ ہوتا ہے) اور جو خوش قسمت پڑھنا جانتے ہیں ان میں سے بھی خال خال ہی سنجیدہ کتاب ہاتھ میں لینے کا تکلف کرتے ہیں جب کہ جاپان سے آنے والے ایک دوست کے مطابق قطاروں میں کھڑے مرد اور عورتیں بھی وقت ضائع کرنے کے بجائے کتاب پڑھتے نظر آتے ہیں ۔ ہماری صاحب کتاب امت منزل مراد تک کیسے پہنچے ! (مسلم سجاد)۔

مقالات ممتاز: ڈاکٹر ممتاز حسن۔ مرتب: شان الحق حقی۔ ناشر: ادارۂ یادگار غالب 'غالب لائبریری ' ناظم آباد ۲ 'کراچی۔ صفحات: ۷۱۴۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

ڈاکٹر ممتاز حسن مرحوم کا شمار ان چند اعلیٰ افسران میں ہوتا ہے جو عمدہ انتظامی قابلیت کے ساتھ ساتھ بلند پایہ علمی و ادبی ذوق سے بھی بہرہ ور تھے۔ وہ مطالعہ کتب کے شائق اور اہل علم و قلم کے قدر دان تھے۔ مصروفیات کی کثرت کے باوجود وہ اپنی دلچسپی کے موضوعات پر قلم اٹھاتے رہتے تھے۔ انھوں نے اگرچہ بہت زیادہ نہیں لکھا لیکن جو کچھ لکھا وہ ان کے ذوق کی عمدگی اور مطالعے کی وسعت کا آئینہ دار ہے۔ ادارۂ یادگار غالب نے مرحوم کے منتشر مضامین و مقالات کو یک جا شائع کر کے ایک علمی و ادبی خدمت انجام دی ہے۔ زیر نظر مجموعہ مقالات میں شخص و عکس ' اردو ادب ' عالمی ادب ' تعلیم و ثقافت اور اقبالیات کے عنوانات کے تحت ممتاز حسن کے کوئی ۴۶ مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر ممتاز حسن کا اسلوب تحریر تصنع سے مبرا اور سادگی کا نمونہ ہے جس کو ان کی ذہانت ' طباعی اور خوش ذوقی نے دلچسپ و دل کش بنا دیا ہے۔ شخصیات پر ان کے مضامین ان کے گہرے مشاہدے اور نفسیات شناسی کے غماز ہیں۔ قائداعظم اور علامہ اقبال پر ان کی نگارشات سے ان کی بصیرت اور قومی و ملی مقاصد سے ان کی گہری وابستگی عیاں ہوتی ہے۔ ان کا ذوق تنقید و تحقیق اس وقت خوب نمایاں ہوتا ہے جب وہ اہم علمی موضوعات پر لکھتے ہیں۔ مثلاً: "غبار خاطر" پر ان کا مضمون خاص توجہ اور مطالعے کے لائق ہے۔ "غبار خاطر" پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ممتاز حسن کا مضمون مختصر ہونے کے باوجود یقیناً ممتاز نظر آئے گا۔ علامہ اقبال سے ممتاز حسن کی وابستگی مسلمہ ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس مجموعے میں اقبال پر ان کے ۲۱ مضامین شامل ہیں۔ حصہ اقبالیات کے شروع میں بطور مقدمہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا ایک مضمون شامل ہے جس میں ممتاز حسن کی اقبال شناسی کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ممتاز حسن مرحوم نے علامہ کے خطبات کو کہیں کہیں خطبات مدراس یا چھ لیکچر لکھا ہے ' حالانکہ یہ خطبات ' صرف مدراس ہی میں نہیں ' میسور ' حیدر آباد دکن ' علی گڑھ اور لندن میں بھی پیش کیے گئے تھے ' اور یہ تعداد چھ نہیں سات ہے۔

ہمارے ہاں یہ روش عام ہے کہ ایسے مجموعوں میں شامل مضامین کے حواشی و تعلیقات نہیں لکھے جاتے لیکن یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ اس مجموعے میں حسب ضرورت توضیحات وغیرہ درج کر دی گئی ہیں۔ اس کا سرا یقیناً مرتب کتاب شان الحق حقی کے سر ہے۔ تاہم بعض مقالات مثلاً "اقبال اور پاکستان" میں اس امر کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ امید ہے کہ آیندہ اس پہلو سے کتاب کو زیادہ مفید بنایا

جائے گا۔ نیز مرحوم کے باقی ماندہ سرمایہ علمی کو بھی یک جا کر کے شائع کیا جائے گا۔ (ڈاکٹر رحیم بخش شاہین)۔

فی ظلال القرآن' جلد دوم' پارہ ۵ تا ۸' سید قطب شہید: مترجم: سید معروف شاہ شیرازی' ناشر: ادارہ منشورات اسلامی بالمقابل منصورہ لاہور۔ صفحات: ۱۲۶۶۔ قیمت: ۳۲۵ روپے۔

اردو میں سید قطب شہید کی معروف تفسیر "فی ظلال القرآن" کے ترجمے کی متعدد کوششیں کی گئی ہیں۔ سید حامد علی مرحوم کے ترجمے (البدر پبلی کیشنز اردو بازار لاہور) پر ان صفحات میں اظہار خیال ہو چکا ہے (ستمبر ۹۵)۔ افسوس کہ حامد علی صاحب اس کی تکمیل سے پہلے ہی خالق حقیقی سے جا ملے۔ ایک اور کاوش مولانا سید معروف شاہ شیرازی کی ہے۔ وہ "فی ظلال القرآن" کا ترجمہ مکمل کر چکے ہیں۔ اس کی پہلی جلد چند ماہ پہلے شائع ہوئی تھی۔ مترجم نے دیباچے میں بتایا کہ میں نے نہایت ہی سہل اور سادہ پیرایہ اظہار میں' سید قطب کے مفہوم اور مراد کو اردو میں منتقل کرنے کی سعی کی ہے۔ مولانا عبدالمالک صاحب نے پہلی جلد پر تبصرے میں ترجمے کی عمدگی' سلاست اور روانی کی تحسین کی تھی' (تفصیلی رائے کے لیے اکتوبر ۹۵ کا شمارہ ملاحظہ کیجیے) اب اس کا دوسرا حصہ شائع ہوا ہے جو چار پاروں (۵'۶' ۷'۸) پر مشتمل ہے۔ اس حصے کی کمپوزنگ اور طباعت و اشاعت کا معیار' جلد اول سے بہتر ہے۔ توقع ہے شیرازی صاحب کی یہ محنت و کاوش' قارئین کے لیے سودمند اور نافع ثابت ہو گی (ر۔ ہ)۔

مجلہ آرزوے اقبال' مدیر: محمد رفیق نظامی۔ بزم آرزوے اقبال پاکستان' ۳۷' اے شجاع روڈ کلفٹن کالونی' لاہور' صفحات: ۳۲۔ قیمت: فی شمارہ: ۷ روپے' سالانہ: ۷۰ روپے۔

اس مختصر' مگر بامقصد اور سلیقے سے ترتیب دیے گئے مجلے کا سرعنوان علامہ اقبال کا یہ شعر ہے ؎

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے

ایک ایسی صورت حال میں کہ بقول مدیر: "قوم بحیثیت مجموعی' اخلاقی' معاشی اور سیاسی ہر لحاظ سے زوال پذیر ہے' حکیم الامت کے افکار کو مشعل راہ بناتے ہوئے' ایک عام پڑھے لکھے فرد تک ان کو پہنچانے کی سنجیدہ کوشش" کی ضرورت ہے۔ اسی لیے جناب نظامی نے "بزم آرزوے اقبال پاکستان" قائم کی اور اس کے تحت یہ رسالہ جاری کیا ہے۔ پہلے شمارے میں مولانا مودودی" کا ایک انٹرویو اور دو تین مضامین شامل ہیں۔ ایک مضمون میں پاکستان کے قومی ترانے کے بعض معنوی اور فنی نقائص کی طرف توجہ دلاتے ہوئے' مطالبہ کیا گیا ہے کہ اس کی جگہ اقبال کا "ملی ترانہ" (چین و عرب

ہمارا.....) بطور قومی ترانہ رائج کیا جائے۔

جناب مدیر شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں۔انھوں نے مجلّے کا آغاز غایت درجہ محدود وسائل کے ساتھ کیا ہے۔فکر اقبال کی نشرو اشاعت کا شوق اور "حسن نیت" ہی ان کا زاد سفر ہے۔ہمیں امید ہے انھیں محبان اقبال کا تعاون حاصل ہو گا (ر-ہ)۔

حاصلِ بہار ' محمد افضل بدر۔ناشر: علمی کتب خانہ ' مظفرگڑھ۔صفحات: ۱۴۴۔قیمت: ۹۰ روپے۔

بدر صاحب نہایت شگفتہ طبع اور خوش فکر شاعر ہیں لیکن شاید اپنی سیاسی اور دیگر معاشرتی مصروفیات کی بنا پر وہ شعرو ادب کو بھرپور توجہ نہیں دے سکے۔ان کے مجموعہ کلام کے مختصر ہونے کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے لیکن باوجود اختصار کے یہ مجموعہ اپنے اندر فکر اور اسلوب بیان کی کئی قابل داد ادائیں اور لطافتیں رکھتا ہے جنھیں اس مجموعہ کلام کے فاضل تعارف نگار جناب پروفیسر اسرار احمد سہاوری نے لطف و خوبی سے اجاگر کیا ہے۔اس مجموعے میں نظمیں بھی ہیں اور غزلیں بھی۔نظموں کے موضوعات بیش تر دینی اور تحریکی ہیں۔غزلوں میں بھی رمز و ایما کے پیرائے میں مجموعی طور پر حیات افروز اور اصلاحی نقطہ نظر ہی سامنے آتا ہے۔تین منظومات فارسی زبان میں ہیں جو اس سے قبل کرنل خواجہ عبدالرشید کے مرتب کردہ ' تذکرۂ شعرائے پنجاب میں شائع ہو چکی ہیں۔امید ہے سنجیدہ علمی و ادبی حلقوں میں "حاصل بہار" کا پرتپاک خیر مقدم کیا جائے گا (جعفر بلوچ)۔

تیسواں پارہ منظوم ترجمہ احمد عقیل روبی۔ناشر: ورڈز آف وزڈم ' القرطبہ کامپلیکس ' ۸۔جیل روڈ لاہور۔صفحات ۱۰۸۔قیمت درج نہیں۔

قرآن مجید کے منظوم اردو ترجمے اکثرو بیشتر جزوی ہیں۔(مکمل ترجموں میں علامہ سیماب اکبر آبادی کا منظوم ترجمہ قرآن خاص شہرت رکھتا ہے)۔احمد عقیل روبی کا تیسویں پارے کا منظوم ترجمہ جزوی تراجم قرآن میں ایک اچھا اضافہ ہے۔منظوم ترجمہ منثور ترجمے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے کہ اس میں وزن کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے اور اصل مفہوم کو ادا کرنے کا اہتمام بھی کرنا پڑتا ہے۔احمد عقیل روبی نے اصل آیات اور ان کا وہ منثور ترجمہ دیا ہے جو شیخ الہند مولانا محمود حسن" (نہ کہ محمود الحسن) نے کیا اور اپنی کاوش کو شعری مفہوم کے عنوان سے درج کر دیا ہے۔(اس لیے اسے منظوم ترجمہ کے بجائے منظوم ترجمانی سمجھنا بہتر ہو گا)۔یہ کاوش کہیں تو نظم معرا کی صورت میں ہے اور کہیں نظم آزاد کی صورت میں۔بہرحال یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ مترجم نے مفہوم قرآنی کو آسان اور رواں اسلوب میں ڈھالنے کی عمدہ کوشش کی ہے اور اس طرح ایک مفید خدمت انجام دی ہے۔

(ر-ع-ش)

85

مدیر کے نام

شہزاد چشتی' کراچی

نجات اللہ صدیقی (آج کے قابل غور مسائل' فروری ۹۶) کا یہ مشاہدہ ابھی تک یہ تحریکیں عام انسان کو مخاطب کر کے ان کے کسی معتد بہ گروہ کو متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہیں' محل نظر ہے۔ ایران' سوڈان' الجیریا' اور اب ترکی میں احیائے اسلام کی کامیابیوں نے غیروں میں ہلچل مچا دی ہے۔

سلیم منصور' گوجرانوالہ

تحریک اسلامی کے درپیش مسائل پر فکر انگیز بحث ہے لیکن اچھا ہوتا کہ یہ صراحت کر دی جاتی کہ یہ مصنف کی مطبوعہ کتاب تحریک اسلامی عصر حاضر میں سے اخذ کیا گیا ہے اور یہ تحریر ۷۲ میں لکھی گئی تھی تاکہ آج کا مطلب واضح ہو جاتا۔

ثوبیہ ہاشمی حیدر آباد

پولس میں خواتین کی ملازمت (فروری ۹۶) کا جواز اور وکالت' جب کہ خواتین کی فی نفسہ ملازمت بھی دینی حلقوں میں معرض بحث میں ہو' بلکہ دینی مدرسہ تک میں حصول علم کے لیے آنے جانے کی اجازت نہ دی جاتی ہو' بہت حوصلہ افزا محسوس ہوئی۔ لیکن کیا اس سے پہلے پورے ماحول کی اصلاح ضروری نہیں؟

محمد سلیم' جھنگ

جن ملکوں میں خواتین کی پولیس ملازمت عام ہے' وہاں محکمہ کی اخلاقی حالت کے اعداد و شمار خاصے تشویشناک ہیں۔ لیڈی پولیس کی ہر طرح کی شکایات شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اب تو ہماری فضائیہ نے بھی خواتین کی بھرتی کا اشتہار دیا ہے۔ نئے دور کے تقاضوں کے تحت اجتہاد سے پہلے اچھی طرح سوچ بچار کر لینا چاہیے۔

شعیب عظیم' ڈھاکہ

اشارات' طریقہ انقلاب: اسلحہ یا رائے عامہ (جنوری ۹۶) کا کیا کہنا! بہت پسند آیا۔ دعائے رمضان بھی خوب ہے۔ رسالہ کا معیار بلند ہوتا جا رہا ہے۔ مضامین کا تنوع دلکش ہے۔

کیا آپ کے ہاں یہ رسالے آتے ہیں؟

ماہنامہ
ترجمان القرآن

سعودیہ -/550روپے- پاکستان -/150 روپے، انتظامی امور: ۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ- لاہور فون:7585590,7585916 ادارتی امور: منصورہ، ملتان روڈ، لاہور54570 فیکس:7832194

ماہنامہ
آئین

سعودیہ -/550روپے- پاکستان-/150روپے، نسیم مارکیٹ ۲۱ ریلوے روڈلاہور فون: 7221655

ہفت روزہ
ایشیا

سعودیہ -/1700روپے- پاکستان -/480روپے، کیمرہ مارکیٹ، ۴۲ چیمبرلین روڈ، لاہور54000 فون:7231536 فیکس:042-7832194

ہفت روزہ
فرائیڈے اسپیشل

سعودیہ -/1900 روپے (شش ماہی -/1000روپے) پاکستان -/500روپے، ایورریڈی چیمبرز محمد بن قاسم روڈ- کراچی74200 فون:5-2630391 فیکس:021-2630396

Monthly impact. International

پاکستان-/600روپے، بک پروموٹرز- مرکز F-7 اسلام آباد

انفرادی ۲۸ پونڈ، تنظیموں کے لیے ۴۲ پونڈ-

P.O.Box-2493, Suite B,233 Seven Sisters Road, London N42BL, UK. Tel+44(0)171-2631417, Fax+44(0)171-2728934

پندرہ روزہ
جہاد کشمیر

سعودیہ 130ریال- پاکستان -/250 روپے، الاکرام بلڈنگ، مریڑ چوک مری روڈ راولپنڈی فون:504863

ماہنامہ افکار معلم

سعودیہ 20 ریال- پاکستان -/100 روپے، ۷ ۴ ایبک پارک ۳ بہاول شیر روڈ مزنگ- لاہور

ماہنامہ ہمقدم

پاکستان میں طلبہ کے جمہوری حقوق ترجمان-

سعودیہ -/400 روپے- پاکستان -/75 روپے، A-1 ذیلدار پارک اچھرہ لاہور فیکس: 7572310

ماہنامہ پکار

اسلامی جمعیت طالبات کا ترجمان-

سعودیہ -/250 روپے- پاکستان -/120 روپے، C-91 بلاک ۱۱ فیڈرل بی ایریا- کراچی

ماہنامہ پیغام ڈائجسٹ

سعودیہ -/250 روپے- پاکستان -/80 روپے، ۸۹ فیروز پور روڈ- اچھرہ- لاہور

ماہنامہ خواتین میگزین

سعودیہ 80 ریال- پاکستان -/150 روپے، کمرہ نمبر ۶ ، ۴۲ چیمبرلین روڈ- لاہور

ماہنامہ المصباح

عربی مدارس کے طلبہ کا ترجمان-

سعودیہ -/400 روپے- پاکستان -/70 روپے A-1 ذیلدار پارک اچھرہ- لاہور

کشمیر المسلمہ

سعودیہ 20 ڈالر- پاکستان -/300 روپے، پروفیسر الیف الدین ترابی- بکس 2292 اسلام آباد-

فون: 813856 فیکس: 213625، اکاؤنٹ ڈالر 1155-701547 بنک الامارات- اسلام آباد

رسالے ذہن بناتے ہیں، حالات سے آگاہ کرتے ہیں- نقطہ نظر دیتے ہیں، جذبہ عمل دیتے ہیں، زرِ سالانہ ارسال کرنے میں بخل سے کام نہ لیں- دوستوں کے نام جاری کروائیں، یہ خیر خواہی کی بہترین شکل ہے- (عطیہ اشتہار)

بیرونِ ممالک ترجمان القرآن حاصل کرنے کے لیے رابطہ پتے:

MAKTABA KULLIAH ALHINSAH
JAMIATUL MALAE ABDUL AZIZ
P.O.BOX 9027 JIDDAH
SAUDI ARABIA

SAIFULLAH SANAI
P.O.BOX 9178
DAMMAM 31413
SAUDI ARABIA

ADAAB BOOK SHOP
P.O.BOX 287
MANAMA
BAHRAIN

ANAYAT HUSSAIN GHAURI
P.O.BOX 382
ABU DHABI
UAE

MANZOOR ILAHI
P.O,BOX 621
DUBAI
UAE.

MR.MUHAMMAD SALAHUDDIN
DARUL SAUDIA JAUHARIA
AL BAGHDADIA BUILDING
P.O.BOX 2043
JEDDAH-21451

UMER ABDUL AZIZ
755-EAST 9 STREET#.B.6.
BROOKLYN
NEW YORK-11230(U.S.A)
✆ (781)421-5428

ISLAMIC BOOK CENTER
120,DRUMMOND ST.
LONDON N.W.I 2HL
UK.

UK ISLAMIC MISSION
121,OAKLAND ROAD HANWELL
LONDON W7 2DT
UK.

UK ISLAMIC MISSION
401-403,ALUM ROCK ROAD
BIRMINGHAM B-8 3DT
UK.

UK ISLAMIC MISSION
19- CARRINGTON STREET
GLASGOW G4 9AJ
UK.

UK ISLAMIC MISSION
1 TYDFIL PALACE
ROTH PARK CARDIFF
SOUTH WALES UK.

SYED SHAUKAT ALI
DEPT. OF COMMUNICATIONS
INTL.ISL.UNI. P.O.BOX 70
JALANJAN 46700-PJ SELANGER
MALAYSIA

RAFAY SAMAN
423,BARA MUGH BAZAR
ELEPHANT ROAD DHAKA
BANGLA DESH

دیگر ملکوں میں بھی خواہشمند رابطہ کریں:

مینیجر ترجمان القرآن، ۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور 54600 فون 042-7587916

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک 'اچھرہ' لاہور سے شائع کیا

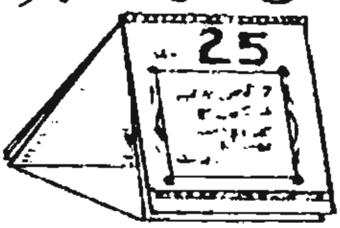
سمع و بصر
علی ہائٹس، 9 کمرشل زون
کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون: 5411546
فیکس: 5419541

گفٹ سکیم
تعارف

SAMA-O-BASAR
سمع و بصر

رمضان المبارکؑ اور پھر عید کے موقع پر اپنے احباب اور ننھے بچوں کے لیے تحائف بھیجیں۔ ہر تحفہ کے ساتھ ایک تہنیتی کارڈ بھی آپ کے پیغام کے ساتھ بھیجا جائے گا۔

سدا بہار کیلنڈر، پانچ رنگوں میں، پُروقار، دیدہ زیب طباعت
31 صفحات، ہر صفحہ پر اُردو ترجمہ قرآن / حدیث
ترتیب: پروفیسر **مسلم سجاد**
تدوین: پروفیسر عنایت علی خان
زرِ تعاون: 90 روپے







کتاب کہانی نمبر 1، ایک کیسٹ کے ساتھ 4 خوبصورت کتابیں
بچوں کے لیے نئے انداز میں نئی کوشش، لفظ بہ لفظ دلنشیں انداز، پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ
زرِ تعاون 85 روپے



دس آڈیو کیسٹ، خوبصورت گفٹ پیک میں، پسند آپکی اپنی،
ہمیں صرف عنوانات بتا دیں، تحفہ بھی، تعلیم بھی۔ زرِ تعاون 225 روپے

VHS ویڈیو کیسٹ، نیشنل جاپان، گفٹ پیک میں، ہماری فہرست سے عنوان پسند کریں۔
تحفہ بھیجنے کا نیا انداز — زرِ تعاون: 200 روپے

تفصیلات کے لیے رابطہ کیجیے:
زرِ تعاون بذریعہ بنک ڈرافٹ، منی آرڈر یا نقد وصول کیا جائے گا۔ چیک کی صورت میں چیک کیش ہونے پر تحفہ روانہ کیا جائے گا۔

REGD. NO. L 5340 PHONES : 7587916
7585590

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE